

تَقْرِيرُ الْوَلَدَنَ

سُورَةُ الْأَنْفَال

QuranUrdu.com



سید ابوالاعلم مودودی

فہرست

3	زمانہ نزول:	رکو ۱
3	تاریخی پس منظر:	رکو ۲
20	مباحث:	رکو ۳
22		رکو ۴
30		رکو ۵
36		رکو ۶
42		رکو ۷
49		رکو ۸
54		رکو ۹
58		رکو ۱۰
68		رکو ۱۱
72		رکو ۱۲
78		رکو ۱۳

زمانہ تزویل:

یہ سورہ سن ۲ ہجری میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں اسلام و کفر کی اس پہلی جنگ پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک سورہ کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے، غالباً یہ ایک ہی تقریر ہے جو بیک وقت نازل فرمائی گئی ہو گی، مگر ممکن ہے کہ اس کی بعض آیات جنگ بدر ہی سے پیدا شدہ مسائل کے متعلق بعد میں اتری ہوں اور پھر ان کو سلسلہ تقریر میں مناسب جگہوں پر درج کر کے ایک مسلسل تقریر بنادیا گیا ہو۔ بہر حال کلام میں کہیں کوئی ایسا جوڑ نظر نہیں آتا جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ یہ الگ الگ دو تین خطبوں کا مجموعہ ہے۔

تاریخی پس منظر:

قبل اس کے کہ اس سورہ پر تبصرہ کیا جائے، جنگ بدر اور اس سے تعلق رکھنے والے حالات پر ایک تاریخی نگاہ ڈال لینی چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ابتدائی دس بارہ سال میں، جبکہ آپ مکہ معظمہ میں مقیم تھے، اس حیثیت سے اپنی چنگی و استواری ثابت کر چکی تھی کہ ایک طرف اس کی پشت پر ایک بلند سیرت، عالی ظرف اور دانشمند علمبردار موجود تھا جو اپنی شخصیت کا پورا سرمایہ اس کام میں لگا چکا تھا اور اس کے طرزِ عمل سے یہ حقیقت پوری طرح نمایاں ہو چکی تھی کہ وہ اس دعوت کو انتہائی کامیابی کی منزل تک پہنچانے کے لیے اٹل ارادہ رکھتا ہے اور اس مقصد کی راہ میں ہر خطرے کو انگیز کرنے اور ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ دوسری طرف اس دعوت میں خود ایسی کشش تھی کہ وہ دلوں اور دماغوں میں سراہیت کرتی چلی

جاری تھی اور جہالت و جاہلیت اور تعصبات کے حصار اس کی راہ رو کنے میں ناکام ثابت ہو رہے تھے۔ اسی وجہ سے عرب کے پرانے نظام جاہلی کی حمایت کرنے والے عناصر، جو ابتداءً اس کو استخفاف کی نظر سے دیکھتے تھے، مکی دور کے آخری زمانہ میں اسے ایک سنجیدہ خطرہ سمجھنے لگے تھے اور اپنا پورا ذریعہ کچل دینے میں صرف کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن اُس وقت تک چند حیثیات سے اس دعوت میں بہت کچھ کسر باقی تھی:

اولاً، یہ بات ابھی پوری طرح ثابت نہیں ہوئی تھی کہ اس کو ایسے پیروں کی ایک کافی تعداد بھم پہنچ گئی ہے جو صرف اس کے ماننے والے ہی نہیں ہیں، بلکہ اس کے اصولوں کا سچا عشق بھی رکھتے ہیں، اس کو غالب و نافذ کرنے کی سعی میں اپنی ساری قوتیں اور اپنا تمام سرمایہ زندگی کھپا دینے کے لیے تیار ہیں، اور اس کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کر دینے کے لیے، دنیا بھر سے لڑ جانے کے لیے، حتیٰ کہ اپنے عزیز ترین رشتہوں کو بھی کاٹ پھینکنے کے لیے آمادہ ہیں۔ اگرچہ مکہ میں پیروانِ اسلام نے قریش کے ظلم و ستم برداشت کر کے اپنی صداقتِ ایمانی اور اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کی مضبوطی کا اچھا خاصاً ثبوت دے دیا تھا، مگر ابھی یہ ثابت ہونے کے لیے بہت سی آزمائشیں باقی تھیں کہ دعوتِ اسلامی کو جانفروش پیروں کا وہ گروہ میسر آگیا ہے جو اپنے نصبِ العین کے مقابلہ میں کسی چیز کو بھی عزیز تر نہیں رکھتا۔

ثانیاً، اس دعوت کی آواز اگرچہ سارے ملک میں پھیل گئی تھی، لیکن اس کے اثرات منتشر تھے، اس کی فراہم کردہ قوت سارے ملک میں پر اگنده تھی، اس کو وہ اجتماعی طاقت بھم نہ پہنچی تھی جو پرانے جمی ہوئے نظام جاہلیت سے فیصلہ کن مقابلہ کرنے کے لیے ضروری تھی۔

ثالثاً، اس دعوت نے زمین میں کسی جگہ بھی جڑ نہیں پکڑی تھی بلکہ ابھی تک وہ صرف ہوا میں سرایت کر رہی تھی۔ ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں تھا جہاں وہ قدم جما کر اپنے موقف کو مضبوط کرتی اور پھر آگے بڑھنے کی

سمی کرتی، اس وقت تک جو مسلمان جہاں بھی تھا اس کی حیثیت نظام کفر شرک میں بالکل ایسی تھی جیسے خالی معدے میں کُنین، کہ معدہ ہر وقت اسے اُگل دینے کے لیے زور لگا رہا ہو اور قرار پکڑنے کے لیے اس کو جگہ ہی نہ ملتی ہو۔

رابعاً، اس وقت تک اس دعوت کو عملی زندگی کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر چلانے کا موقع نہیں ملا تھا۔ نہ یہ اپنا تمدن قائم کر سکی تھی، نہ اس نے اپنا نظامِ معيشہ و معاشرت اور نظام سیاست مرتب کیا تھا اور نہ دوسری طاقتیوں سے اس کے معاملاتِ صلح و جنگ پیش آئے تھے۔ اس لیے نہ تو ان اخلاقی اصولوں کا مظاہرہ ہو سکا تھا جن پر یہ دعوت زندگی کے پورے نظام کو قائم کرنا اور چلانا چاہتی تھی، اور نہ یہی بات آزمائش کی کسوٹی پر اچھی طرح نمایاں ہوئی تھی کہ اس دعوت کا پیغمبر اور اس کے پیروں کا گروہ جس چیز کی طرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے اس پر عمل کرنے میں وہ خود کس حد تک راست باز ہے۔

بعد کے واقعات نے وہ موقع پیدا کر دیے جن سے یہ چاروں کمیاں پوری ہو گئیں۔

مکی دور کے آخری تین چار سالوں سے یثرب میں آفتابِ اسلام کی شعاعیں مسلسل پہنچ رہی تھیں اور وہاں کے لوگ متعدد وجوہ سے عرب کے دوسرے قبیلوں کی بہ نسبت زیادہ آسانی کے ساتھ اس روشنی کو قبول کرتے جا رہے تھے۔ آخر کار نبوت کے بارھویں سال حج کے موقع پر ۵۷ نفوس کا ایک وفد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی تاریکی میں ملا اور اس نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول کیا بلکہ آپ کو اور آپ کے پیروں کو اپنے شہر میں جگہ دینے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ یہ اسلام کی تاریخ میں ایک انقلابی موقع تھا جسے خدا نے اپنی عنایت سے فراہم کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ اہل یثرب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے نہیں بلکہ خدا کے نائب اور اپنے امام و فرمانروا کی حیثیت سے بلا رہے

تھے۔ اور اسلام کے پیروں کو ان کا بلا وار اس لیے نہ تھا کہ وہ ایک اجنبی سر زمین میں محض مہاجر ہونے کی حیثیت سے جگہ پالیں، بلکہ مقصد یہ تھا کہ عرب کے مختلف قبائل اور خطوں میں جو مسلمان منتشر ہیں وہ یثرب میں جمع ہو کر اور یثربی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک منظم معاشرہ بنالیں۔ اس طرح یثرب نے دراصل اپنے آپ کو ”مذہب الاسلام“ کی حیثیت سے پیش کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کر کے عرب میں پہلا دارالاسلام بنالیا۔

اس پیش کش کے معنی جو کچھ تھے اس سے اہل مدینہ ناواقف نہ تھے۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹا سا قصبہ اپنے آپ کو پورے ملک کی تواروں اور معاشی و تدنی بایکاٹ کے مقابلہ میں پیش کر رہا تھا۔ چنانچہ بیعتِ عقبہ کے موقع پر رات کی اُس مجلس میں اسلام کے ان اولین مددگاروں (انصار) نے اس نتیجہ کو خوب اچھی طرح جان بوجھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا۔ عین اس وقت جبکہ بیعت ہو رہی تھی، یثربی وفد کے ایک نوجوان رکن اسعد بن زرارہؓ نے، جو پورے وفد میں سب سے کم سن شخص تھے، اٹھ کر کہا:

رویداً يأهلاً يثرب! إِنَّا لِمَ نَصَبْ بِالْيَهُ اَكْبَادَ الْأَبْلَالَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ، وَإِنَّا لَنَا جَهَ الْيَوْمَ مَنَاوَةً لِلْعَرَبِ كَافَةً، وَقَتْلُ خَيَارِكُمْ، وَتَضَكُّمُ السَّيَوْفِ۔ فَامَا اتَّمَ قَوْمٌ تَصْبِرُونَ عَلَى ذَلِكَ فَخَذُواهُ وَاجْرَهُ عَلَى اللَّهِ، وَامَا اتَّمَ قَوْمٌ تَخَافُونَ مِنْ أَنفُسِكُمْ خِيفَةً فَذَرُوهُ فَبَيْنَا ذَلِكَ فَهُوَ عَذْرُكُمْ عِنْدَ اللَّهِ۔

”ٹھیروںے اہل یثرب ہم لوگ جوان کے پاس آئے ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے آئے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور آج انھیں یہاں سے نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تمہارے نونہال قتل ہوں گے اور تواریں تم پر بر سینگی۔ لہذا اگر تم اس کو برداشت کرنے کی طاقت اپنے

اندر پاتے ہو تو ان کا ہاتھ پکڑو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تمہیں اپنی جانیں عزیز ہیں تو پھر چھوڑ دو اور صاف صاف عذر کرو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا خدا کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔“

اسی بات کو فد کے ایک دوسرے شخص عباس بن عبادہ بن نضلہ نے دو ہرایا:

اتعلیمون علام تبایعون هُذَا الرَّجُلُ ؟ (قالو انِّي مُعْذِنٌ، قَالَ) إِنَّكُمْ تَبَايِعُونَهُ عَلَى حَزْبِ الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ مِنَ النَّاسِ - فَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَنِّي أَذْنَابَكُمْ إِذَا نَهَكْتُ أَمْوَالَكُمْ مَصِيبَةً وَأَشْرَافَكُمْ قَتْلًا لِبَتْوَةٍ فِيمَنِ الْآنِ فَدَعُوهُ، فَهُوَوَاللَّهُ أَنْ فَعَلْتُمْ خَزِيَ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَنِّي أَذْنَابَكُمْ وَأَفْوَنَ لَهُ بَنَا دَعَوْتُوَهُ إِلَيْهِ عَلَى نَهَكَةِ الْأَمْوَالِ وَقَتْلِ الْأَشْرَافِ فَخَذُواهُ، فَهُوَوَاللَّهُ خَيْرُ الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ -

”جانتے ہو اس شخص سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ (آوازیں، ہاں جانتے ہیں) تم اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ پس اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ جب تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں تو تم اسے دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے کہ آج ہی سے اسے چھوڑ دو کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوانی ہے۔ اور اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ جو بلا و اتم اس شخص کو دے رہے ہو اس کو اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کے باوجود نباہو گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلانی ہے۔“

اس پر تمام وفد نے بالا تفاق کہا: فانا ناخذہ علی مصیبة الاموال وقتل الاشراف۔ ”ہم اسے لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اپنے اشراف کو ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔“ - تب وہ مشہور بیعت واقع ہوئی جسے تاریخ میں بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

دوسری طرف اہل مکہ کے لیے یہ معاملہ جو معنی رکھتا تھا۔ وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ دراصل اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، جن کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی قابلیتوں سے قریش کے لوگ واقف ہو چکے تھے، ایک ٹھکانا میسر آ رہا تھا۔ اور ان کی قیادت و رہنمائی میں پیروانِ اسلام، جن کی عزیمت و استقامت اور فدائیت کو بھی قریش ایک حد تک آزمائچکے تھے، ایک منظم جماعت کی صورت میں مجتمع ہوئے جاتے تھے۔ یہ پرانے نظام کے لیے موت کا پیغام تھا۔ نیز مدینہ جیسے مقام پر مسلمانوں کی اس طاقت کے مجتمع ہونے سے قریش کو مزید خطرہ یہ تھا کہ یمن سے شام کی طرف جو تجارتی شاہراہ ساحل بحر احمر کے کنارے کنارے جاتی تھی، جس کے محفوظ رہنے پر قریش اور دوسرے بڑے بڑے مشرک قبائل کی معاشی زندگی کا انحصار تھا، وہ مسلمانوں کی زد میں آ جاتی تھی اور اس شہرگ پر ہاتھ ڈال کر مسلمان نظام جاہلی کی زندگی دشوار کر سکتے تھے۔ صرف اہل مکہ کی وہ تجارت جو اس شاہراہ کے بل پر چل رہی تھی ڈھانی لاکھ اشرفی سالانہ تک پہنچتی تھی۔ طائف اور دوسرے مقامات کی تجارت اس کے مساوا تھی۔

قریش ان نتائج کو خوب سمجھتے تھے۔ جس رات بیعتِ عقبہ واقع ہوئی اسی رات اس معاملہ کی بھنک اہل مکہ کے کانوں میں پڑی اور پڑتے ہی کھلبیلی مچ گئی۔ پہلے تو انہوں نے اہل مدینہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑنے کی کوشش کی۔ پھر جب مسلمان ایک ایک دودو کر کے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے لگے اور قریش کو یقین ہو گیا کہ اب محمدؐ بھی وہاں منتقل ہو جائیں گے تو وہ اس خطرے کو روکنے کے لیے آخری چارہ کار اختیار کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ہجرت نبوی سے چند ہی روز پہلے قریش کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں بڑی رذو کد کے بعد آخر کاریہ طے پا گیا کہ بنی ہاشم کے سواتمام خانوادہ ہائے قریش کا ایک ایک آدمی چھانٹا جائے اور یہ سب لوگ مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کریں تاکہ بنی ہاشم کے لیے تمام خاندانوں سے تہبا

لڑنا مشکل ہو جائے اور وہ انتقام کے بجائے خونبہا قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ لیکن خدا کے فضل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتماد علی اللہ اور حسن تدبیر سے اُن کی یہ چال ناکام ہو گئی اور حضور بخاریت مدینہ پہنچ گئے۔ اس طرح جب قریش کو ہجرت کے روکنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے مدینہ کے سردار عبد اللہ بن اُبی ڪو (جسے ہجرت سے پہلے اہل مدینہ اپنا بادشاہ بنانے کی تیاری کرچکے تھے اور جس کی تمناؤں پر حضورؐ کے مدینہ پہنچ جانے اور اوس و خرزج کی اکثریت کے مسلمان ہو جانے سے پانی پھر چکا تھا) خط لکھا کہ ”تم لوگوں نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے، ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم خود اس سے لڑو یا اسے نکال دو، ورنہ ہم سب تم پر حملہ آور ہوں گے اور تمہارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو لو نڈیاں بنالیں گے۔“ عبد اللہ بن اُبی ڪو اس پر کچھ آمادہ شر ہوا، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بروقت اس کے شر کی روک تھام کر دی۔ پھر سعد بن معاذ رَبِّکَ اَمْنًا وَقَدَا يَتَمَ الصُّبَّا وَزَعِّيْتَمَ اَنْكُمْ تَنْصُرُونَهُمْ لَوْلَا اَنْكَ مَعَ ابِي صَفْوَانَ مَارَجَعْتُ اِلَى اَهْلِكَ سَالِمًا (تم تو ہمارے دین کے مرتدوں کو پناہ دو اور ان کی امداد و اعانت کا دم بھرو اور ہم تمہیں اطمینان سے مکہ میں طواف کرنے دیں؟ اگر تم اُمیَّةَ بن خَلَفَ کے مہمان نہ ہوتے تو زندہ یہاں سے نہیں جاسکتے تھے)۔ سعد نے جواب میں کہا: وَاللهِ لَئِنْ مَنْعَنَتِي هُذَا اَلَامْنَعُ ما هَا شَدَ عَلَيْكَ مِنْهُ، طَرِيقَكَ عَلَى الْمَدِينَةِ (بخدا اگر تم نے مجھے اس چیز سے روکا تو میں تمہیں اُس چیز سے روک دوں گا جو تمہارے لیے اس سے شدید تر ہے، یعنی مدینہ پر سے تمہاری رہ گذر)۔ یہ گویا اہل مکہ کی طرف سے اس بات کا اعلان تھا کہ زیارت بیت اللہ کی راہ مسلمانوں پر بند ہے، اور اس کا جواب اہل مدینہ کی طرف سے یہ تھا کہ شامی تجارت کا راستہ مخالفین اسلام کے لیے پر خطر ہے۔

اور فی الواقع اُس وقت مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی تدبیر بھی نہ تھی کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کریں تاکہ قریش اور وہ دوسرے قبائل جن کا مفاد اس راستہ سے وابستہ تھا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اپنی معاندانہ و مزاحمانہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے کے لیے مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ مدینہ پہنچتے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو خیز اسلامی سوسائٹی کے ابتدائی نظم و نسق اور اطراف مدینہ کی یہودی آبادیوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے بعد سب سے پہلے جس چیز پر توجہ منعطف فرمائی وہ اسی شاہراہ کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے میں حضور نے دو اہم تدبیریں اختیار کیں:

ایک یہ کہ مدینہ اور ساحل بحر احمر کے درمیان اس شاہراہ سے متصل جو قبائل آباد تھے ان کے ساتھ گفت و شنید شروع کی تاکہ وہ حلیفانہ اتحاد یا کم از کم ناطرفداری کے معابدے کر لیں۔ چنانچہ اس میں آپ کو پوری کامیابی ہوئی۔ سب سے پہلے جہیں سے، جو ساحل کے قریب پہاڑی علاقے میں ایک اہم قبیلہ تھا، معاهدہ ناطرفداری طے ہوا۔ پھر سن اہجری کے آخر میں ضمروہ سے جن کا علاقہ یمنیوں اور ذوالعشیرہ سے متصل تھا، وفاعی معاونت (Defensive alliance) کی قرارداد ہوئی۔ پھر سن ۲ اہجری کے وسط میں بنی مُدِّج بھی اس قرارداد میں شریک ہو گئے کیونکہ وہ بنی ضمروہ کے ہمسایہ اور حلیف تھے۔ مزید برآں تبلیغ اسلام نے ان قبائل میں اسلام کے حامیوں اور پیروؤں کا بھی ایک اچھا خاصاً غضر پیدا کر دیا۔

دوسری تدبیر آپ نے یہ اختیار کی کہ قریش کے قافلوں کو دھمکی دینے کے لیے اس شاہراہ پر پیغم چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کیے اور بعض دستوں کے ساتھ آپ خود بھی تشریف لے گئے۔ پہلے سال اس طرح کے چار دستے گئے جو مغازی کی کتابوں میں سَرِيَّةَ حَمْزَه، سَرِيَّةَ عَبْيَدَه بْنَ حَارِثَ، سَرِيَّةَ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَاصَ اور غزوۃ الابواء کے نام سے موسوم ہیں۔ اور دوسرے سال کے ابتدائی مہینوں میں دو مزید تاخذیں اسی جانب

قریش کی تجارتی شاہراہ



کی گئیں جن کو اہل مغازی غزوہ بواط اور غزوہ ذوالعشیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان تمام مہموں کی دو خصوصیتیں قابل لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں سے کسی میں نہ تو کشت و خون ہو اور نہ کوئی قافلہ لوٹا گیا جس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان تاختوں کا اصل مقصود قریش کو ہوا کارخ بتانا تھا۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی تاخت میں بھی حضورؐ نے اہل مدینہ کا کوئی آدمی نہیں لیا بلکہ تمام دستے خالص مکی مہاجرین سے ہی مرتب فرماتے رہے کہ تاکہ حتیٰ کہ الامکان یہ کشمکش قریش کے اپنے ہی گھروں تک محدود رہے اور دوسرے قبیلوں کے اس میں الجھنے سے آگ پھیل نہ جائے۔ اُدھر سے اہل مکہ بھی مدینہ کی طرف نارت گر دستے بھیجتے رہے، چنانچہ انہی میں سے ایک دستے نے گرز بن جابر الفہری کی قیادت میں عین مدینہ کے قریب ڈاکہ مارا اور اہل مدینہ کے مویشی لوٹ لیے۔ قریش کی کوشش اس سلسلہ میں یہ رہی کہ دوسرے قبیلوں کو بھی اس کشمکش میں الجھادیں، نیز یہ کہ انہوں نے بات کو محض دھمکی تک محدود نہ رکھا بلکہ لوٹ مار تک نوبت پہنچا دی۔

حالات یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ شعبان سن ۲ ہجری (فروری یا مارچ ۶۲۳ء) میں قریش کا ایک بہت بڑا قافلہ، جس کے ساتھ تقریباً ۵۰۰ ہزار اشرافی کامال تھا اور تیس چالیس سے زیادہ محافظانہ تھے، شام سے مکہ کی طرف پلٹتے ہوئے اُس علاقہ میں پہنچا جو مدینہ کی زد میں تھا۔ چونکہ مال زیادہ تھا، محافظ کم تھے، اور سابق حالات کی بنا پر خطرہ قوی تھا کہ کہیں مسلمانوں کا کوئی طاقتو ردستہ اس پر چھاپہ نہ مار دے، اس لیے سردار قافلہ ابوسفیان نے اس پر خطر علاقہ میں پہنچتے ہی ایک آدمی کو مکہ کی طرف دوڑا دیا تاکہ وہاں سے مدد لے آئے۔ اس شخص نے مکہ پہنچتے ہی عرب کے قدیم قاعدے کے مطابق اپنے اونٹ کے کان کاٹے، اس کی ناک چیر دی، کجاوے کو اٹ کر رکھ دیا اور اپنا قمیص آگے پچھے سے پھاڑ کر شور مچانا شروع کر دیا کہ: یا معشا ناک

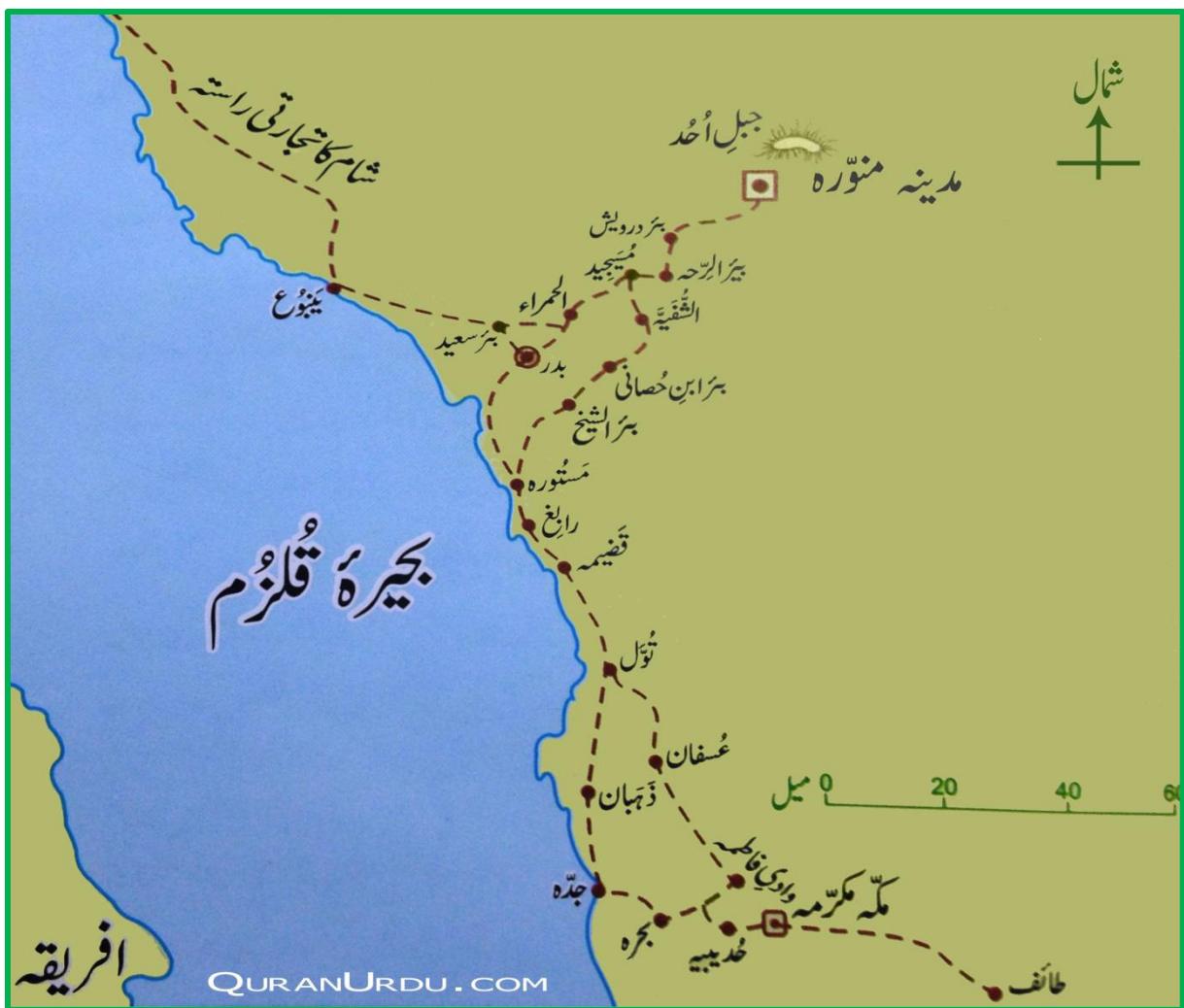
قريش! اللطیہ الطیہ، اموالکم مع ابع سفیان قد عرض لها محمد فی اصحابه، لا اری ان تُد رکوها، الغوث، الغوث۔ (قریش والو! اپنے قافلہ تجارت کی خبر لو، تمہارے مال جو ابوسفیان کے ساتھ ہیں، محمد اپنے آدمی لے کر ان کے درپے ہو گیا ہے، مجھے امید نہیں کہ تم انہیں پاسکو گے، دوڑو دوڑو مدد کے لیے)۔ اس پر سارے مکہ میں ہیجان برپا ہو گیا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے سردار جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ تقریباً ایک ہزار مردان جنگی جن میں سے ۶۰۰ زرہ پوش تھے اور جن میں ۱۰۰ سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا، پوری شان و شوکت کے ساتھ لڑنے کے لیے چلے۔ ان کے پیش نظر صرف یہی کام نہ تھا کہ اپنے قافلے کو بچالائیں، بلکہ وہ اس ارادے سے نکلے تھے کہ اس آئے دن کے خطرے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں، اور مدینہ میں یہ مخالف طاقت جو ابھی نئی نئی مجمع ہونی شروع ہوئی ہے اسے کچل ڈالیں، اور اس نواح کے قبائل کو اس حد تک مروع کر دیں کہ آئندہ کے لیے یہ تجارتی راستہ بالکل محفوظ ہو جائے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو حالات سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے، محسوس فرمایا کہ فیصلہ کی گھٹری آپنچی ہے اور یہ ٹھیک وہ وقت ہے جبکہ ایک جس سورانہ اقدام اگر نہ کر ڈالا گیا تو تحریک اسلامی ہمیشہ کے لیے بے جان ہو جائے گی، بلکہ بعید نہیں کہ اس تحریک کے لیے سر اٹھانے کا پھر کوئی موقع ہی باقی نہ رہے نئے دارالہجرت میں آئے ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے ہیں۔ مہاجرین بے سروسامان، انصار ابھی نا آزمودہ، یہودی قبائل بر سر مخالفت، خود مدینے میں منافقین و مشرکین کا ایک اچھا خاصاً طاقتوں غیر موجود، اور گردو پیش کے تمام قبائل قریش سے مروع بھی اور مذہبیان کے ہمدرد بھی، ایسے حالات میں اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت کا خاتمہ ہو جائے۔ لیکن اگر وہ حملہ نہ کریں اور صرف اپنے زور سے قافلے کو بچا کر ہی نکال لے جائیں اور مسلمان دیکے بیٹھے رہیں

تب بھی یک لخت مسلمانوں کی ایسی ہوا اکھڑے گی کہ عرب کاچہ بچہ ان پر دلیر ہو جائے گا اور ان کے لیے ملک بھر میں پھر کوئی پناہ باقی نہ رہے گی۔ آس پاس کے سارے قبائل قریش کے اشاروں پر کام کرنا شروع کر دیں گے۔ مدینہ کے یہودی اور منافقین و مشرکین علی الاعلان سر اٹھائیں گے اور دارالحجرت میں جینا مشکل کر دیں گے۔ مسلمانوں کا کوئی رعب و اثر نہ ہو گا کہ اس کی وجہ سے کسی کو ان کی جان، مال اور آبرو پر ہاتھ ڈالنے میں تأمل ہو۔ اس بنابر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم فرمایا کہ جو طاقت بھی اس وقت میسر ہے اسے لے کر نکلیں اور میدان میں فیصلہ کریں کہ جینے کا بل بوتا کس میں ہے اور کس میں نہیں ہے۔

اس فیصلہ کن اقدام کا ارادہ کر کے آپ نے انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان کے سامنے ساری پوزیشن صاف صاف رکھ دی کہ ایک طرف شمال میں تجارتی قافلہ ہے اور دوسری طرف جنوب سے قریش کا لشکر چلا آرہا ہے، اللہ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک تمہیں مل جائے گا، بتاؤ تم کس کے مقابلہ پر چلنا چاہتے ہو؟ جواب میں ایک بڑے گروہ کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہوا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر کچھ اور تھا اس لیے آپ نے اپنا سوال ڈھرا یا۔ اس پر مہاجرین میں سے مقداد بن عمرو نے اٹھ کر کہا: یا رسول اللہ! امض لہا امرک اللہ، فانا معک حیثنا احبابت، لا نقول لك کما قال بنوا سرائیل لموسى اذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُمْ نَا قَعِدُونَ، ولیکن اذہب انت و ربک فقاتلا انما معک ما مقاتلون مادامت عین مناططف۔ ”یا رسول اللہ، جدھر آپ کا رب آپ کو حکم دے رہا ہے اسی طرف چلیے، ہم آپ کے ساتھ ہیں جس طرف بھی آپ جائیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ کہنے والے نہیں ہیں کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا دونوں لڑیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ نہیں، ہم

مدینہ سے بدرتک



اس نقشے میں قافلوں کے وہ راستے دکھائے گئے ہیں جو مگر سے بدر ہوتے ہوئے شام کی طرف جاتے ہیں۔ نیز وہ راستہ بھی دکھایا گیا ہے جو مدینے سے بدر کی طرف آتا ہے۔

کہتے ہیں چلیے آپ اور آپ کا خدا، دونوں لڑیں اور ہم آپ کے ساتھ جانیں گے جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی گر دش کر رہی ہے۔ ”مگر لڑائی کا فیصلہ انصار کی رائے معلوم کیے بغیر نہیں کیا جا سکتا تھا، کیونکہ ابھی تک فوجی اقدامات میں ان سے کوئی مدد نہیں لی گئی تھی اور ان کے لیے یہ آزمائش کا پہلا موقع تھا کہ اسلام کی حمایت کا جو عہد انہوں نے اول روز کیا تھا اسے وہ کہاں تک نباہنے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے حضور نے براہ راست ان کو مخاطب کیے بغیر پھر اپنا سوال دو ہرا یا۔ اس پر سعد بن معاذ اٹھے اور انہوں نے عرض کیا شاید حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ فرمایا: ہا۔ انہوں نے کہا: لقد امنا بک و صدقنا و شهدنا اقن ما جئت به هو الحق و اعطینا ک عهودنا و مواثيقنا على السبع و الطاعة۔

فامض يا رسول الله لما اردت۔ فوالذى بعثك بالحق لو استعرضت بنا هذا البحر فخسته لخضناه
معك وما تختلف منا رجل واحد۔ ومانکرهان تلقى بناعونا غداً انالنصبر عندالحرب صدقٌ عند
اللقاء ولعل الله يريكم منا مانقربه عينك فسر بنا على بركة الله۔ ”ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کر چکے ہیں کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے اور آپ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں۔ پس اے اللہ کے رسول، جو کچھ آپ نے ارادہ فرمایا ہے اسے کر گزریے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ ہمیں لے کر سامنے سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں اتر جائیں تو ہم آپ کے ساتھ کو دیں گے اور ہم میں سے ایک بھی پچھے نہ رہے گا۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے، مقابلہ میں سچی جاں ثاری دکھائیں گے اور بعد نہیں کہ اللہ آپ کو ہم سے وہ کچھ دکھوادے جسے دیکھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں، پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپ ہمیں لے چلیں۔“

ان تقریروں کے بعد فیصلہ ہو گیا کہ قافلہ کے بجائے لشکر قریش ہی کے مقابلہ پر چلانا چاہیے۔ لیکن یہ فیصلہ کوئی معمولی فیصلہ نہ تھا۔ جو لوگ اس تنگ وقت میں لڑائی کے لیے اٹھے تھے ان کی تعداد ۳۰ سے کچھ زائد تھی (۸۶ مہاجر، ۲۱ قبیلہ اوس کے اور ۰۷ اقبیلہ خزرج کے) جن میں صرف دو تین کے پاس گھوڑے تھے اور باقی آدمیوں کے لیے ۱۷۰ اونٹوں سے زیادہ نہ تھے، جن پر تین تین چار چار اشخاص باری باری سے سوار ہوتے تھے۔ سامان جنگ بھی بالکل ناکافی تھا۔ صرف ۶۰ آدمیوں کے پاس زر ہیں تھیں۔ اسی لیے چند سر فروش فدائیوں کے سوا اکثر آدمی جو اس خطرناک مہم میں شریک تھے، دلوں میں سهم رہے تھے اور انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جانتے بوجھتے موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ مصلحت پرست لوگ جو اگرچہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے مگر ایسے ایمان کے قائل نہ تھے جس میں جان و مال کا زیاد ہو، اس مہم کو دیوانگی سے تعبیر کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ دینی جذبے نے ان لوگوں کو پاگل بنادیا ہے۔ مگر نبی اور مومنین صادقین سمجھ چکے تھے کہ یہ وقت جان کی بازی لگانے ہی کا ہے اس لیے اللہ کے بھروسے پر وہ نکل کھڑے ہوئے اور انہوں نے سیدھی جنوبِ مغرب کی راہی جدھر سے قریش کا لشکر آرہا تھا۔ حالانکہ اگر ابتداء میں قافلے کو لوٹنا مقصود ہوتا تو شمال مغرب کی راہی جاتی۔

۷ رمضان کو بدر کے مقام پر فریقین کا مقابلہ ہوا۔ جس وقت دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ تین کافروں کے مقابلے میں ایک مسلمان ہے اور وہ بھی پوری طرح مسلح نہیں ہے، تو خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلادیے اور انتہائی خضوع و تضرع کے ساتھ عرض کرنا شروع کیا اللہم هذہ قریش قد اتت بخیل ائہا تحاول ان تکذب رسولک، اللہم فنصرک الذی وعدتنی، اللہم ان تهلك هذہ العصابة الیوم لا تعبد "خدایا، یہ ہیں قریش، اپنے سامان غرور کے ساتھ

آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں، خداوند! بس اب آجائے تیری وہ مدد جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا، اے خدا اگر آج یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہو گئی تو روئے زمین پر پھر تیری عبادت نہ ہوگی۔“

اس معرکہ کا رزار میں سب سے زیادہ سخت امتحان مہاجرین مکہ کا تھا جن کے اپنے بھائی بندس امنے صاف آ را تھے۔ کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا چچا، کسی کا ماموں، کسی کا بھائی اس کی تلوار کی زد میں آ رہا تھا اور اپنے ہاتھوں اپنے جگر کے ملکڑے کاٹنے پڑ رہے تھے۔ اس کڑی آزمائش سے صرف وہی لوگ گزر سکتے تھے جنہوں نے پوری سنجیدگی کے ساتھ حق سے رشتہ جوڑا ہوا اور باطل کے ساتھ سارے رشتے قطع کر ڈالنے پر تُل گئے ہوں۔ اور انصار کا امتحان بھی کچھ کم سخت نہ تھا۔ اب تک تو انہوں نے عرب کے طاقتوں تین قبیلے، قریش اور اس کے حليف قبائل کی دشمنی صرف اسی حد تک مولیٰ تھی کہ ان کے علی الرغم مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دے دی تھی۔ لیکن اب تو وہ اسلام کی حمایت میں ان کے خلاف لڑنے بھی جارہے تھے جس کے معنی یہ تھے کہ ایک چھوٹی سی بستی جس کی آبادی چند ہزار نفوس سے زیادہ نہیں ہے، سارے ملک عرب سے لڑائی مول لے رہی ہے۔ یہ جسارت صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو کسی صداقت پر ایسا ایمان لے آئے ہوں کہ اس کی خاطر اپنے ذاتی مفاد کی انہیں ذرہ برابر پرواہ نہ رہی ہو۔ آخر کار ان لوگوں کی صداقتِ ایمانی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی اور قریش اپنے سارے غور طاقت کے باوجود ان بے سرو سامان فدائیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے۔ ان کے ستر آدمی مارے گئے، ۷۰ قید ہوئے اور ان کا سرو سامان غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جوان کے گلہائے سر سببد اور اسلام کی مخالفت تحریک کے روح روائی تھے اس معرکہ میں ختم ہو گئے اور اس

نقشہ جنگِ بدر



فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنا دیا۔ جیسا کہ ایک مغربی محقق نے لکھا ہے ”بدر سے پہلے اسلام محض ایک مذہب اور ریاست تھا، مگر بدر کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔“

مباحث:

یہ ہے وہ عظیم الشان معرکہ جس پر قرآن کی اس سورہ میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ مگر اس تبصرے کا انداز تمام اُن تبصروں سے مختلف ہے جو دنیوی بادشاہ اپنی فوج کی فتحیابی کے بعد کیا کرتے ہیں۔

اس میں سب سے پہلے اُن خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو اخلاق حیثیت سے ابھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ آئندہ اپنی مزید تکمیل کے لیے سعی کریں۔

پھر اُن کو بتایا گیا ہے کہ اس فتح میں تائید اللہ کا کتنا بڑا حصہ تھا تاکہ وہ اپنی جرأت و شہامت پر نہ پھولیں بلکہ خدا پر توکل اور خدا کے رسول کی اطاعت کا سبق لیں۔

پھر اُس اخلاقی مقصد کو واضح کیا گیا ہے جس کے لیے مسلمانوں کو یہ معرکہ حق و باطل برپا کرنا ہے اور ان اخلاقی صفات کی توضیح کی گئی ہے جن سے اس معرکہ میں انہیں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

پھر مشرکین اور منافقین اور یہود اور ان لوگوں کو جو جنگ میں قید ہو کر آئے تھے، نہایت سبق آموز انداز میں خطاب کیا گیا ہے۔

پھر اُن اموال کے متعلق، جو جنگ میں ہاتھ آئے تھے، مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ انہیں اپنا مال نہ

سمجھیں بلکہ خدا کامال سمجھیں، جو کچھ اللہ اس میں سے ان کا حصہ مقرر کرے اسے شکر یہ کے ساتھ قبول کر لیں اور جو حصہ اللہ اپنے کام اور اپنے غریب بندوں کے امداد کے لیے مقرر کرے اس کو برضاؤ رغبت گوارا کر لیں۔

پھر قانون جنگ و صلح کے متعلق وہ اخلاقی ہدایات دی گئی ہیں جن کی توضیح اس مرحلے میں دعوت اسلامی کے داخل ہو جانے کے بعد ضروری تھی تاکہ مسلمان اپنی صلح و جنگ میں جاہلیت کے طریقوں سے بچیں اور اور دنیا پر ان کی اخلاقی برتری قائم ہو اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اسلام اول روز سے اخلاق پر عملی زندگی کی بنیاد رکھنے کی جو دعوت دے رہا ہے اس کی تعبیر واقعی عملی زندگی میں کیا ہے۔

پھر اسلامی ریاست کے دستوری قانون کی بعض دفعات بیان کی گئی ہیں جن سے دارالاسلام کے مسلمان باشندوں کی آئینی حیثیت اُن مسلمانوں سے الگ کر دی گئی ہے جو دارالاسلام کے حدود سے باہر رہتے ہوں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۶

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْلِحُوهَا ذَاتَ بَيْنِكُمْ
وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُ اللّٰهُ
وَجَلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيهِمْ أَيْتُهُمْ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكّلُونَ ﴿٢﴾ الَّذِينَ
يُقْيِمُونَ الصَّلَاةَ وَهُمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣﴾ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ كَمَا آخَرَ حَلَفَ رَبِّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُرِهُونَ ﴿٥﴾ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَانُوكَمْ يُسَاقُونَ إِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٦﴾ وَإِذْ يَعْدُكُمُ اللّٰهُ أَحَدٌ الطَّاغِيَّاتِ إِنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُونَ أَنَّ
غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُحِقَ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ
الْكُفَّارِينَ ﴿٧﴾ لِيُحِقَ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْكَرَةَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨﴾ إِذْ تَسْتَغِيْثُونَ
رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُدَدُّكُمْ بِالْفِيْ مِنَ الْمَلِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا
بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا التَّصْرِّفُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

دکوع ۱

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

تم سے آنفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟ کہو ” یہ انفال تو اللہ اور اُس کے رسول کے ہیں، پس تم لوگ اللہ سے ڈڑوا اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔^۱“ سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے^۲، اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں، خرچ کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں۔ قصوروں سے درگزر ہے^۳ اور بہترین رزق ہے۔ اس مالِ غنیمت کے معاملہ میں بھی ویسی ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اُس وقت پیش آئی تھی جبکہ تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ اس حق کے معاملہ میں تجھ سے جھگٹر رہے تھے دراں حالے کہ وہ صاف صاف نمایا ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا وہ آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جارہے ہیں۔^۴

یاد کرو وہ موقع جب کہ اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا۔^۵ تم چاہتے تھے کہ کمزور گروہ تمہیں ملے۔^۶ مگر اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ اپنے ارشادات سے حق کو حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑکاٹ دے تاکہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔^۷

اور وہ موقع جبکہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے۔ جواب میں اس نے فرمایا کہ میں تمہاری مدد کے لیے پے در پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔ یہ بات اللہ نے تمہیں صرف اس لیے بتا دی کہ تمہیں خوشخبری ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں، ورنہ مدد توجہ بھی ہوتی ہے اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے،
بِقِدَّمِ اللَّهِ زَبَرْ دَسْتُ اُورْ دَانَا ہے۔ ﴿٦﴾

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 1 ▲

یہ اس تبصرہ جنگ کی عجیب تمہید ہے۔ بدر میں جو مال غنیمت لشکر قریش سے لوٹا گیا تھا اس کی تقسیم پر مسلمانوں کے درمیان نِزاع براپا گئی۔ کیونکہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان لوگوں کی پہلی مرتبہ پرچم اسلام کے نیچے لڑنے کا اتفاق ہوا تھا اس لیے ان کو معلوم نہ تھا کہ اس مسلک میں جنگ اور اس سے پیدا شدہ مسائل کے متعلق کیا ضابطہ ہے۔ کچھ ابتدائی ہدایات سورہ بقرہ اور سورہ محمد میں دی جا چکی تھیں۔ لیکن ”تمہذیب جنگ“ کی بنیاد ابھی رکھنی باقی تھی۔ بہت سے تمدنی معاملات کی طرح مسلمان ابھی تک جنگ کے معاملہ میں بھی اکثر پرانی جاہلیت ہی کے تصورات لیے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے بدر کی لڑائی میں کفار کی شکست کے بعد جن لوگوں نے جو کچھ مال غنیمت لوٹا تھا وہ عرب کے پرانے طریقہ کے مطابق اپنے آپ کو اس کا مال سمجھ بیٹھے تھے۔ لیکن ایک دوسرا فریق جس نے غنیمت کی طرف رُخ کرنے کے بجائے کفار کا تعاقب کیا تھا، اس بات کا مدعا ہوا کہ اس مال میں ہمارا برابر کا حصہ ہے کیونکہ اگر ہم دشمن کا پیچھا کر کے اسے دور تک بھگانہ دیتے اور تمہاری طرح غنیمت پر ٹوٹ پڑتے تو ممکن تھا کہ دشمن پھر پلٹ کر حملہ کر دیتا اور فتح شکست سے بدل جاتی۔ ایک تیسرے فریق نے بھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہا تھا، اپنے دعاوی پیش کیے۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ سب سے بڑھ کر قیمتی خدمت تو اس جنگ میں

ہم نے انعام دی ہے۔ اگر ہم رسول اللہ کے گرد اپنی جانوں کا حصار بنائے ہوئے نہ رہتے اور آپ کو کوئی گزند پہنچ جاتا تو فتح ہی کب نصیب ہو سکتی تھی کہ کوئی مال غنیمت ہاتھ آتا اور اس کی تقسیم کا سوال اٹھتا۔ مگر مال عملًا جس فریق کے قبضہ میں تھا اس کی ملکیت گویا کسی ثبوت کی محتاج نہ تھی اور وہ دلیل کا یہ حق مانے کے لیے تیار نہ تھا کہ ایک امر واقعی کے اس زور سے بدل جائے۔ آخر کار اس نزاع نے تنخی کی صورت اختیار کرنی شروع کر دی اور زبانوں سے دلوں تک بد مزگ پھیلنے لگی۔

یہ تھا وہ نفسیاتی موقع جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال نازل کرنے کے لیے منتخب فرمایا اور جنگ پر اپنے تبصرے کی ابتداء اسی مسئلے سے کی۔ پھر پہلا ہی فقرہ جو ارشاد ہوا اُسی میں سوال کا جواب موجود تھا فرمایا ”تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں“؟ یہ ان اموال کو ”غناۡم“ کے بجائے ”آنفال“ کے لفظ سے تعبیر کرنا بجائے خود مسئلے کا فیصلہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ انفال جمع ہے نفل کی۔ عربی زبان میں نفل اُس چیز کو کہتے ہیں جو واجب سے یا حق سے زائد ہو۔ جب یہ تابع کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وہ رضا کارانہ خدمت ہوتی ہے جو ایک بندہ اپنے آقا کے لیے فرض سے بڑھ کر تطلُّعًا بجالاتا ہے۔ اور جب یہ متبع کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وہ عَطِيَّہ و انعام ہوتا ہے جو آقا اپنے بندے کو اس کے حق سے زائد دیتا ہے۔ پس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ یہ ساری رَدْوَگَد، یہ نزاع، یہ پوچھ گچھ کیا خدا کے بخشے ہوئے انعامات کے بارے میں ہو رہی ہے؟ اگر یہ بات ہے تو تم لوگ ان کے مالک و مختار کہاں بنے جا رہے ہو کہ خواداد ان کی تقسیم کا فیصلہ کرو۔ مال جس کا بخشنا ہوا ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ کسے دیا جائے اور کسے نہیں، اور جس کو بھی دیا جائے اسے کتنا دیا جائے۔

یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی اخلاقی اصلاح تھی۔ مسلمان کی جنگ دنیا کے مادی فائدے بٹورنے کیلئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے اخلاقی و تمدنی بگاڑ کو اصول حق کے مطابق درست کرنے کے لیے ہے، جسے مجبوراً

اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے جبکہ مراجم قوتیں دعوت و تبلیغ کے ذریعہ سے اصلاح کو ناممکن بنادیں۔ پس مصلحین کی نظر اپنے مقصد پر ہونی چاہیے نہ کہ اُن فوائد پر جو مقصد کے لیے سعی کرتے ہوئے بطور انعام خدا کی عنایت سے حاصل ہوں۔ ان فوائد سے اگر ابتداء ہی میں ان کی نظر نہ ہٹا دی جائے تو بہت جلدی، اخلاقی انحطاط رونما ہو کر یہی فوائد مقصود قرار پا جائیں۔

پھر یہ جنگ کے سلسلہ میں ایک بہت بڑی انتظامی اصلاح بھی تھی۔ قدیم زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جو مال جس کے ہاتھ لگتا ہی اس کا مالک قرار پاتا۔ یا پھر بادشاہ یا سپہ سالار تمام غنائم پر قابض ہو جاتا۔ پہلی صورت میں اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فتح یا بفوجوں کے درمیان اموال غنیمت پر سخت تنافس برپا ہو جاتا اور بسا اوقات ان کی خانہ جنگی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیتی۔ دوسری صورت میں سپاہیوں کو چوری کا عارضہ لگ جاتا تھا اور وہ غنائم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے۔ قرآن مجید نے انفال کو اللہ اور رسول کا مال قرار دے کر پہلے تو یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ تمام مال غنیمت لا کر بے کم و کاست امام کے سامنے رکھ دیا جائے اور ایک سوئی تک چھپا کر نہ رکھی جائے۔ پھر آگے چل کر اس مال کی تقسیم کا قانون بنادیا کہ پانچواں حصہ خدا کے کام اور اس کے غریب بندوں کی مدد کے لیے بیت المال میں رکھ لیا جائے اور باقی چار حصے اُس پوری فوج میں تقسیم کر دیے جائیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ اس طرح وہ دونوں خرابیاں دور ہو گئیں جو جاہلیت کے طریقہ میں تھیں۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ذہن میں رہنا چاہیے، یہاں انفال کے قصے کو صرف اتنی بات کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ہیں۔ تقسیم کے مسئلے کو یہاں نہیں چھیڑا گیا تاکہ پہلے تسلیم و اطاعت مکمل ہو جائے۔ پھر چند روکوں کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو تقسیم کس طرح کیا جائے۔ اسی لیے یہاں انہیں ”انفال“ کہا گیا ہے اور روکوں 5 میں جب تقسیم کا حکم بیان کرنے کی نوبت آئی تو انہی اموال کو ”غنائم“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 2 ▲

یعنی ہر ایسے موقع پر جب کہ کوئی حکم الٰہی آدمی کے سامنے آئے اور وہ اس کی تصدیق کر کے سراطاعت جھکا دے، آدمی کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہر اس موقع پر جب کہ کوئی چیز آدمی کی مرضی کے خلاف، اس کی محبتیوں اور دوستیوں کے خلاف اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی ہدایت میں ملے اور آدمی اس کو مان کر فرمانِ خدا اور رسول کو بدل لئے کے بجائے اپنے آپ کو بدل ڈالے اور اس کی قبولیت میں تکلیف انگیز کرے تو اس سے آدمی کے ایمان کو بالیدگی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر ایسا کرنے میں آدمی دریغ کرے تو اس کے ایمان کی جان نکنی شروع ہو جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ایمان کوئی ساکن و جامد چیز نہیں ہے، اور تصدیق و عدم تصدیق کا بس ایک ہی ایک مرتبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی نے نہ مانا تو وہ بس ایک ہی نہ ماننا رہا، اور اگر اس نے مان لیا تو وہ بھی بس ایک ہی مان لینا ہوا۔ نہیں بلکہ تصدیق اور انکار دونوں میں انحطاط اور نشوونما کی صلاحیت ہے۔ ہر انکار کی کیفیت گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے۔ اور اسی طرح ہر اقرار و تصدیق میں ارتقا بھی ہو سکتا ہے اور تنزل بھی۔ البتہ فقی احکام کے اعتبار سے نظامِ تمدن میں حقوق اور حیثیات کا تعین جب کیا جائے گا تو تصدیق اور عدم تصدیق دونوں کے بس ایک ہی مرتبے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اسلامی سوسائٹی میں تمام ماننے والوں کے آئینی حقوق و واجبات یکساں ہوں گے خواہ ان کے درمیان ماننے کے مراتب میں کتنا ہی تفاوت ہو۔ اور سب نہ ماننے والے ایک ہی مرتبے میں ذمی یا حربی یا معاهدو مسلم قرار دیے جائیں گے خواہ ان میں کفر کے اعتبار سے مراتب کا کتنا ہی فرق ہو۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 3 ▲

قصور بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر اہل ایمان سے بھی سرزد ہو سکتے ہیں اور ہوئے ہیں، اور جب تک

انسان انسان ہے یہ محال ہے کہ اس کا نامہ اعمال سراسر معياری کارناموں ہی پر مشتمل ہوا اور لغزش، کوتا ہی، خامی سے بالکل خالی رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی رحمت ہے کہ جب انسان بندگی کی لازمی شرائط پوری کر دیتا ہے تو اللہ اس کی کوتا ہیوں سے چشم پوشی فرماتا ہے اور اس کی خدمات جس صلے کی مستحق ہوتی ہیں اس سے کچھ زیادہ صلہ اپنے فضل سے عطا کرتا ہے۔ ورنہ اگر قاعدہ یہ مقرر کیا جاتا کہ ہر قصور کی سزا اور ہر خدمت کی جزا الگ الگ دی جائے تو کوئی بڑے سے بڑا صالح بھی سزا سے نہ نج سکتا۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 4 ▲

یعنی جس طرح اس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے، حالانکہ حق کا مطالبہ اس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں، اسی طرح آج انہیں مال غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے، حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اسے چھوڑیں اور حکم کا انتظار کریں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کرو گے اور اپنے نفس کی خواہش کے بجائے رسول کا کہا مانو گے تو ویسا ہی اچھا نتیجہ دیکھو گے جیسا ابھی جنگ بدر کے موقع پر دیکھے چکے ہو کہ تمہیں لشکر قریش کے مقابلہ پر جانا سخت ناگوار تھا اور اسے تم ہلاکت کا پیغام سمجھ رہے تھے لیکن جب تم نے حکم خدا اور رسول کی تعمیل کی تو یہی خطرناک کام تمہارے لیے زندگی کا پیغام ثابت ہوا۔

قرآن کا یہ ارشاد ضمناً ان روایات کی بھی تردید کر رہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلے میں عموماً کتب سیرت و مغازی میں نقل کی جاتی ہیں، یعنی یہ کہ ابتداءً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین قافلے کو لوٹنے کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ پھر چند منزل آگے جا کر جب معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر قافلہ کی حفاظت کے لیے آ رہا ہے تب یہ مشورہ کیا گیا کہ قافلے پر حملہ کیا جائے یا لشکر کا مقابلہ؟ س بیان کے بر عکس قرآن یہ بتا رہا ہے کہ

جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تھے اسی وقت یہ امر حق آپ کے پیش نظر تھا کہ قریش کے لشکر سے فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے۔ اور یہ مشاورت بھی اسی وقت ہوئی تھی کہ قافلے اور لشکر میں کس کو حملہ کے لیے منتخب کیا جائے۔ اور باوجود یہ ممین پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ لشکر ہی سے نہ مٹا ضروری ہے، پھر بھی ان میں سے ایک گروہ اس سے بچنے کے لیے جحت کرتا رہا۔ اور بالآخر جب آخری رائے یہ قرار پا گئی کہ لشکر ہی کی طرف چلنا چاہیے تو یہ گروہ مدینہ سے یہ خیال کرتا ہوا چلا کہ ہم سیدھے موت کے منہ میں ہانکے جارہے ہیں۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 5 ▲

یعنی تجارتی قافلہ یا لشکر قریش۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 6 ▲

یعنی قافلہ جس کے ساتھ صرف تمیں چالیس محافظ تھے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 7 ▲

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت فی الواقع صورت حال کیا رونما ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ہم نے سورہ کے دیباچہ میں بیان کیا ہے، لشکر قریش کے نکل آنے سے دراصل سوال یہ پیدا ہو گیا تھا کہ دعوتِ اسلامی اور نظام جاہلیت دونوں میں سے کس کو عرب میں زندہ رہنا ہے۔ اگر مسلمان اس وقت مردانہ وار مقابلہ کے لیے نہ نکلتے تو اسلام کے لیے زندگی کا کوئی موقع باقی نہ رہتا۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کے نکلنے اور پہلے ہی بھر پور وار میں قریش کی طاقت پر کاری چوت لگادینے سے وہ حالات پیدا ہوئے جن کی بدولت اسلام کو قدم جمانے کا موقع مل گیا اور پھر اس کے مقابلہ میں نظام جاہلیت پیغم شکست کھاتا ہی چلا گیا۔

إِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَيُطَهِّرُكُمْ بِهِ وَ
 يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْرَ الشَّيْطَنِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثِيتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١﴾ إِذْ يُوحِي
 رَبُّكَ إِلَيَّ الْمَلِئَكَةَ أَنِّي مَعَكُمْ فَتَبَتَّلُوا الَّذِينَ أَمْنَوْا طَسْأُلُقِيْ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا
 الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿٢﴾ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَ
 رَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٣﴾ ذَلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ
 لِكُفَّارِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا
 تُؤْلُوْهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿٥﴾ وَمَنْ يُوَلِّهُمْ يَوْمَيْنِ دُبْرَهَا إِلَّا مُتَحَذِّرًا إِلَى فِعَةٍ فَقَدْ
 بَآءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَآوِهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ
 قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى وَلِيُبَلِّيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاءً
 حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٧﴾ ذَلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكُفَّارِيْنَ ﴿٨﴾ إِنْ
 تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعْدُ وَلَنْ
 تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِعَلْتُمْ شَيْئًا وَلَوْكَثَرْتُ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 أَمْنَوْا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلُّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿١٠﴾

دکو ۶

اور وہ وقت جبکہ اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان و بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا،⁸ اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی بر سار ہاتھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست دُور کرے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جمادے۔⁹

اور وہ وقت جبکہ تمہارا رب فرشتوں کو اشارہ کر رہا تھا کہ ”میں تمہارے ساتھ ہوں، تم اہل ایمان کو ثابت قدم رکھو، میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رُعب ڈالے دیتا ہوں، پس تم ان کی گردنوں پر ضرب اور جوڑ جوڑ پر چوت لگاؤ۔¹⁰“ یہ اس لیے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے اللہ اس کے لیے نہایت سخت گیر ہے¹¹۔۔۔۔ یہ¹² ہے تم لوگوں کی سزا، اب اس کا مزہ چکھو، اور تمہیں معلوم ہو کہ حق کا انکار کرنے والوں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔

اے ایمان لانے والو، جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھنہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھنہ پھیری۔۔۔۔ إِلَيْهِ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لیے۔۔۔۔ تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا، اُس کا ٹھکانا جہنم ہو گا، اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔¹³

پس حقیقت یہ ہے کہ تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا¹⁴ اور مومنوں کے ہاتھ جو اس کام میں استعمال کیے گئے تو یہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنوں کو ایک بہترین آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزار دے، يقِيَّا اللَّهُ سُنْنَةً أَوْ جَانِنَةً وَالاَّ هِيَ۔

یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے اور کافروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اللہ ان کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ ﴿ان کافروں سے کہہ دو﴾ ”اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو، فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔¹⁵ اب باز آجائے، تمہارے ہی لیے بہتر ہے، ورنہ پھر پلٹ کر اسی حماقت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی اسی سزا کا اعادہ کریں گے اور تمہاری جمعیت، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی، اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔“

۲۶

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 8 ▲

یہی تجربہ مسلمانوں کو اُحد کی جنگ میں پیش آیا جیسا کہ سورہ آل عمران آیت 154 میں گزر چکا ہے۔ اور دونوں موقع پر وجہ وہی ایک تھی کہ جو موقع شدت خوف اور گھبرائی کا تھا اس وقت اللہ نے مسلمانوں کے دلوں کو ایسے اطمینان سے بھر دیا کہ ان پر غنوڈگی طاری ہونے لگی۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 9 ▲

یہ اُس رات کا واقعہ ہے جس کی صبح کو بدر کی لڑائی پیش آئی۔ اس بارش کے تین فائدے ہوئے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کو پانی کی کافی مقدار مل گئی اور انہوں نے فوراً حوض بنایا کہ بارش کا پانی روک لیا۔ دوسرا یہ کہ مسلمان چونکہ وادی کے بالائی حصے پر تھے اس لیے بارش کی وجہ سے ریت جم گئی اور زمین اتنی مضبوط ہو گئی کہ قدم اچھی طرح جم سکیں اور نقل و حرکت بآسانی ہو سکے۔ تیسرا یہ کہ لشکرِ کفار نشیب کی جانب تھا اس لیے وہاں اس بارش کی بد ولت کچھ ہو گئی اور پاؤں دھنسنے لگے۔

شیطان کی ڈالی ہوئی نجاست سے مراد وہ ہر اس اور گھبرائی کی کیفیت تھی جس میں مسلمان ابتداءً مبتلا تھے۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 10

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بنابر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتال میں یہ کام نہیں لیا گیا ہو گا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں، بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہو گی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 11

یہاں تک کہ جنگ بدر کے جن واقعات کو ایک ایک کر کے یاد دلا یا گیا ہے اس سے مقصود دراصل لفظ ”انفال“ کی معنویت واضح کرنا ہے۔ ابتداء میں ارشاد ہوا تھا کہ اس مال غیمت کو اپنی جانفشنی کا ثمرہ سمجھ کر اس کے مالک و مختار کہاں بنے جاتے ہو، یہ تو دراصل عطیہ الٰہی ہے اور معطی خود ہی اپنے مال کا مختار ہے۔ اب اس کے ثبوت میں یہ واقعات گنائے گئے ہیں کہ اس فتح میں خود ہی حساب لگا کر دیکھ لو کہ تمہاری اپنی جانفشنی اور جرأت و جسارت کا کتنا حصہ تھا اور اللہ کی عنایت کا کتنا حصہ۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 12

خطاب کا رُخ یا کیا کفار کی طرف پھر گیا ہے جن کے مستحق سزا ہونے کا ذکر اوپر کے فقرے میں ہوا تھا۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 13

دشمن کے شدید دباو پر مرتب پسیائی (Orderly retreat) ناجائز نہیں ہے جبکہ اس کا مقصود اپنے عقبی مرکز کی طرف پلٹنا یا اپنی ہی فوج کے کسی دوسرے حصہ سے جامنا ہو۔ البتہ جو چیز حرام کی گئی ہے وہ بھگدڑ (Rout) ہے جو کسی جنگی مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض بزدلی و شکست خوردگی کی وجہ سے ہوتی ہے

اور اس لیے ہوا کرتی ہے کہ بھگوڑے آدمی کو اپنے مقصد کی بہ نسبت جان زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس فرار کو بڑے گناہوں میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔ ایک شرک، دوسرے والدین کی حق تلفی، تیسرا میدان قتال فی سبیل اللہ سے فرار۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں آپ نے سات بڑے گناہوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کے لیے تباہ کن اور اس کے انجام اخروی کے لیے غارتگر ہیں۔ ان میں سے ایک یہ گناہ بھی ہے کہ آدمی کفر و اسلام کی جنگ میں کفار کے آگے پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ اس فعل کو اتنا بڑا گناہ قرار دینے کی وجہ سے صرف یہی نہیں ہے کہ یہ ایک بزدلانہ فعل ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص کا بھگوڑا پن بسا اوقات ایک پوری پلٹن کو، اور ایک پلٹن کا بھگوڑا پن ایک پوری فوج کو بدحواس کر کے بھگا دیتا ہے۔ اور پھر جب ایک دفعہ کسی فوج میں بھگدڑ پڑ جائے تو کہا نہیں جا سکتا کہ تباہی کس حد پر جا کر ٹھیکرے گی۔ اس طرح کی بھگدڑ صرف فوج ہی کے لیے تباہ کن نہیں ہے بلکہ اُس ملک کے لیے بھی تباہ کن ہے جس کی فوج ایسی شکست کھائے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 14 ▲

معرکہ بدر میں جب مسلمانوں اور کفار کے لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے اور عام زد خورد کا موقع آگیا تو حضورؐ نے مٹھی بھریت ہاتھ میں لے کر شاہستِ الوجوه کہتے ہوئے کفار کی طرف پھینکی اور اس کے ساتھ ہی آپ کے اشارے سے مسلمان یکبارگی کفار پر حملہ آور ہوئے۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 15 ▲

مکہ سے روانہ ہوتے وقت مشرکین نے کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا مانگی تھی کہ خدا یادوں گروہوں میں

سے جو بہتر ہے اس کو فتح عطا کر۔ اور ابو جہل نے خاص طور پر کہا تھا کہ خدا یا ہم میں سے جو بر سر حق ہو اسے فتح دے اور جو بر سر ظلم ہو اسے رسوا کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی منہ مانگی دعائیں حرف بحرف پوری کر دیں اور فیصلہ کر کے بتا دیا کہ دونوں میں سے کون اچھا اور بر سر حق ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْتَعْوَنَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَ الدَّوَابِ عِنْدَ اللَّهِ الْحُصُمُ
 الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عِلْمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَا سَمَعُوهُمْ لَتَوَلُّوْا وَ
 هُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَحِيْبُوْا بِلِهِ وَ لِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا
 يُحِيِّكُمْ وَ اعْلَمُوْا أَنَّ اللَّهَ يَحْوِلُ بَيْنَ الْمَرْءَ وَ قَلْبِهِ وَ أَنَّهَ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَ اتَّقُوا
 فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ حَاصَةً وَ اعْلَمُوْا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَ
 اذْكُرُوْا إِذَا نُّتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعِفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُوْنَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَأَوْكُمْ وَ
 أَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَ رَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشَكُّرُونَ ﴿٢٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا
 تَخُونُوا اللَّهَ وَ الرَّسُولَ وَ تَخُونُوا أَمْنِتِكُمْ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَ اعْلَمُوْا أَنَّمَا آمَوْالُكُمْ وَ
 أَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَ أَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾

دکوع ۲

اے ایمان لانے والو، اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور حکم سُننے کے بعد اس سے سرتابی نہ کرو۔
اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے کہا کہ ہم نے مٹا حالانکہ وہ نہیں سُنتے۔¹⁶

یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانوروں بھرے گوئے لوگ ہیں¹⁷ جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سُننے کی توفیق دیتا^{۱۸} لیکن بھلائی کے بغیر^{۱۹} اگر وہ اُن کو سُنوا تا تو وہ بے رُخی کے ساتھ منہ پھیر جاتے۔

اے ایمان لانے والو، اللہ اور اُس کے رسول کی پکار پر بلیک کہو جبکہ رسولؐ تمہیں اُس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے، اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور اُسی کی طرف تم سیئیے جاؤ گے۔¹⁹ اور بچو اُس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف اُنہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں سے گناہ کیا ہو۔²⁰ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے، زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا، تم ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں مٹانہ دیں۔ پھر اللہ نے تم کو جائے پناہ مہیا کر دی، اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کیے اور تمہیں اچھار زندگی پہنچایا، شاید کہ تم شکر گزار بنو۔²¹ اے ایمان لانے والو، جانتے بوجھتے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں²² غداری کے مر تکب نہ ہو، اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں²³ اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لیے بہت کچھ ہے۔ ۳۶

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 16 ▲

یہاں سنتے سے مراد وہ سننا ہے جو ماننے اور قبول کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ اشارہ اُن منافقین کی طرف ہے جو ایمان کا اقرار تو کرتے تھے مگر احکام کی اطاعت سے منہ موڑ جاتے تھے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 17 ▲

یعنی جو حق سنتے ہیں نہ حق بولتے ہیں۔ جن کے کان اور جن کے منہ حق کے لیے بھرے گونگے ہیں۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 18 ▲

یعنی جب ان لوگوں کے اندر خود حق پرستی اور حق کے لیے کام کرنے کا جذبہ نہیں ہے تو انہیں اگر تعییل حکم میں جنگ کے لیے نکل آنے کی توفیق دے بھی دی جاتی تو یہ خطرے کا موقع دیکھتے ہی بے تکلف بھاگ نکلتے اور ان کی معیت تمہارے لیے مفید ثابت ہونے کے بجائے الٹی مضر ثابت ہوتی۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 19 ▲

نفاق کی روشن سے انسان کو بچانے کے لیے اگر کوئی سب سے زیادہ موثر تدبیر ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ دو عقیدے انسان کے ذہن نشین ہو جائیں۔ ایک یہ کہ معاملہ اُس خدا کے ساتھ ہے جو دلوں کے حال تک جانتا ہے اور ایسا رازواں ہے کہ آدمی اپنے دل میں جو نیتیں، جو خواہشیں، جو اغراض و مقاصد اور جو خیالات چھپا کر رکھتا ہے وہ بھی اس پر عیاں ہیں۔ دوسرا یہ کہ جانا بہر حال خدا کے سامنے ہے۔ اس سے پچ کر کہیں بھاگ نہیں سکتے۔ یہ دو عقیدے جتنے زیادہ پختہ ہوں گے اتنا ہی انسان نفاق سے دور رہے گا۔ اسی لیے منافقت کے خلاف وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں قرآن ان دو عقیدوں کا ذکر بار بار کرتا ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 20 ▲

اس سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وباۓ عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گناہ گار سوسائٹی میں رہنا گوارا کرتے رہے ہوں۔ مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھیے کہ جب تک کسی شہر میں گندگیاں کہیں کہیں انفرادی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں۔ ان کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلو دہ کر رکھا ہو۔ لیکن جب وہاں گندگی عام ہو جاتی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے شہر میں ایسا نہیں ہو تا جو اس خرابی کو روکنے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر ہوا اور زمین اور پانی ہر چیز میں سمیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو وبا آتی ہے اس کی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے گندہ ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آجاتے ہیں۔ اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح سوسائٹی کے رعب سے دبی رہیں تو اس کے نقصانات محدود رہتے ہیں۔ لیکن جب سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہو جاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اُس میں نہیں رہتی، جب اس کے درمیان بُرے اور بے حیا اور بد اخلاق لوگ اپنے نفس کی گندگیوں کو اعلانیہ اچھالنے اور پھیلانے لگتے ہیں، اور جب اچھے لوگ بے عملی (Passive attitude) اختیار کر کے اپنی انفرادی اچھائی پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت و صامت ہو جاتے ہیں، تو مجموعی طور پر پوری سوسائٹی کی شامت آجاتی ہے اور وہ فتنہ عام برپا ہوتا ہے جس میں چنے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا منشایہ ہے کہ رسول جس اصلاح وہدایت کے کام کے لیے اٹھا ہے اور تمہیں جس

خدمت میں ہاتھ بٹنے کے لیے بلارہا ہے اسی میں درحقیقت شخصی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے تمہارے لیے زندگی ہے۔ اگر اس میں سچے دل سے مخلصانہ حصہ نہ لوگے اور ان برائیوں کو جاسوسائی میں پھیلی ہوئی ہیں برداشت کرتے رہو گے تو وہ فتنہ عام برپا ہو گا جس کی آفت سب کو لپیٹ میں لے لے گی خواہ بہت سے افراد تمہارے درمیان ایسے موجود ہوں جو عملًا برائی کرنے اور برائی پھیلانے کے ذمہ دار نہ ہوں، بلکہ اپنی ذاتی زندگی میں بھلائی، ہی لیے ہوئے ہوں۔ یہ وہی بات ہے جس کو سورۃ اعراف آیات 163-166 میں اصحاب السبт کی تاریخی مثال پیش کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے، اور یہی وہ نقطہ نظر ہے جسے اسلام کی اصلاحی جنگ کا بنیادی نظریہ کہا جاسکتا ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 21

یہاں شکر گزاری کا لفظ غور کے قابل ہے۔ اوپر کے سلسلہ تقریر کو نظر میں رکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس موقع پر شکر گزاری کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کے اس احسان کو مانیں کہ اس نے اس کمزوری کی حالت سے انہیں نکالا اور مکہ کی پر خطر زندگی سے بچا کر امن کی جگہ لے آیا جہاں طیبات رزق میسر ہو رہے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی اسی شکر گزاری کے مفہوم میں داخل ہے کہ مسلمان اُس خدا کی اور اُس کے رسول کی اطاعت کریں جس نے یہ احسانات ان پر کیے ہیں، اور رسول کے مشن میں اخلاص و جاں ثاری کے ساتھ کام کریں، اور اس کام میں جو خطرات و مہالک اور مصائب پیش آئیں ان کا مردانہ وار مقابلہ اُسی خدا کے بھروسے پر کرتے چلے جائیں جس نے اس سے پہلے ان کو خطرات سے بعافیت نکالا ہے، اور یقین رکھیں کہ جب وہ خدا کا کام اخلاص کے ساتھ کریں گے تو خدا ضرور ان کا وکیل و کفیل ہو گا۔ پس شکر گزاری محض اعترافی نوعیت ہی کی مطلوب نہیں ہے بلکہ عملی نوعیت کی بھی مطلوب ہے۔ احسان کا اعتراف کرنے کے باوجود محسن کی رضا جوئی کے لیے سعی نہ کرنا اور اس کی خدمت میں مخلص نہ ہونا

اور اس کے بارے میں یہ شک رکھنا کہ نہ معلوم آئندہ بھی وہ احسان کر یا نہیں، ہرگز شکر گزاری نہیں ہے بلکہ الٰہی ناشکری ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 22 ▲

”ابنی امنتوں“ سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں جو کسی پر اعتبار (Trust) کر کے اس کے سپرد کی جائیں، خواہ وہ عہد و فاکی ذمہ داریاں ہوں، یا اجتماعی معاہدات کی، یا جماعت کے رازوں کی، یا شخصی و جماعتی اموال کی، یا کسی ایسے عہدہ وہ منصب کی جو کسی شخص پر بھروسہ کرتے ہوئے جماعت اس کے حوالے کرے۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نساء حاشیہ 88)۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 23 ▲

انسان کے اخلاص ایمانی میں جو چیز بالعموم خلل ڈالتی ہے اور جس کی وجہ سے انسان اکثر منافق، غداری اور خیانت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنے مالی مفاد اور اپنی اولاد کے مفاد سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ مال اور اولاد، جن کی محبت میں گرفتار ہو کر تم عموماً راستی سے ہٹ جاتے ہو، دراصل یہ دنیا کی امتحان گاہ میں تمہارے لیے سامان آزمائش میں۔ جسے تم بیٹھا یا بیٹھی کہتے ہو حقیقت کی زبان میں وہ دراصل امتحان کا ایک پرچہ ہے۔ اور جسے تم جاندے ادیا کاروبار کہتے ہو وہ بھی درحقیقت ایک دوسرا پرچہ امتحان ہے۔ یہ چیزیں تمہارے حوالہ کی ہی اس لیے گئی ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تمہیں جانچ کر دیکھا جائے کہ تم کہاں تک حقوق اور حدود کا لحاظ کرتے ہو، کہاں تک اپنے نفس کو جوان دنیوی چیزوں کی محبت میں اسیر ہوتا ہے، اسی طرح قابو میں رکھتے ہو کہ پوری طرح بندہ حق بھی بنے رہو اور ان چیزوں کے حقوق اس حد تک ادا بھی کرتے رہو جس حد تک حضرت حق نے خود ان کا استحقاق مقرر کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلُ لَكُمْ فُرْقَانًا وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ سَيِّئَاتُكُمْ وَ يَغْفِرُ
 لَكُمْ وَ اللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢١﴾ وَ إِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا يُشْتَوِّلُكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ
 أَوْ يُخْرِجُوكَ وَ يَمْكُرُونَ وَ يَمْكُرُ اللَّهُ وَ اللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ﴿٢٢﴾ وَ إِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ أَيْتَنَا
 قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٣﴾ وَ إِذْ قَالُوا
 اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا بِحَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا
 بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ وَ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ أَنْتَ فِيهِمْ وَ مَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ
 يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٢٥﴾ وَ مَا لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ وَ هُمْ يَصْدُوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَا كَانُوا
 أُولَئِكَ أَءَ إِنْ أُولَئِكَ أَءَ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَ لَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾ وَ مَا كَانَ
 صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءَةً وَ تَصْدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٢٧﴾ إِنَّ
 الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصْدُوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ
 عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلِبُونَ ﴿٢٨﴾ وَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٢٩﴾ لِيَمْيِيزَ اللَّهُ الْخَيْثَ
 مِنَ الطَّيِّبِ وَ يَجْعَلَ الْخَيْثَ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَيَرْكَمْهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَئِكَ
 هُمُ الْخَسِرُونَ ﴿٣٠﴾

دکوع ۲

اے ایمان لانے والو، اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لیے کسوٹی بھم پہنچادے گا²⁴ اور تمہاری براہیوں کو تم سے دور کرے گا، اور تمہارے قصور معاف کرے گا۔ اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جبکہ منکرین حق تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تجھے قید کر دیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کر دیں۔²⁵ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ جب ان کو ہماری آیات شنائی جاتی تھیں تو کہتے تھے کہ ”ہاں سُن لیا ہم نے، ہم چاہیں تو ایسی ہی باتیں ہم بھی بناسکتے ہیں، یہ تو وہی پُرانی کہانیاں ہیں جو پہلے سے لوگ کہتے چلے آرہے ہیں۔“ اور وہ بات بھی یاد ہے جو انہوں نے کہی تھی کہ ”خدا یا اگر یہ واقعی حق ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر بر سادے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔²⁶“ اس وقت تو اللہ ان پر عذاب نازل کرنے والا نہ تھا جبکہ ٹوان کے درمیان موجود تھا۔ اور نہ اللہ کا یہ قاعدہ ہے کہ لوگ استغفار کر رہے ہوں اور وہ ان کو عذاب دیدے۔²⁷ لیکن اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جبکہ وہ مسجد حرام کا راستہ روک رہے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے جائز متولی نہیں ہیں۔ اس کے جائز متولی تو صرف اہل تقوی ہی ہو سکتے ہیں، مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے، بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں²⁸، پس اب لو، اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے اُس انکارِ حق کی پاداش میں جو تم کرتے رہے ہو۔²⁹ جن لوگوں نے حق کو ماننے سے انکار کیا ہے وہ اپنے مال خدا کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے ہیں اور ابھی وہ خرچ کرتے رہیں گے۔ مگر آخر کار یہی کوششیں ان کے لیے پچھتاوے کا سبب بنیں گی، پھر وہ مغلوب ہوں گے، پھر یہ کافر جہنم کی طرف گھیر لائے جائیں گے تاکہ اللہ

گندگی کو پاکیزگی سے چھانٹ کر الگ کرے اور ہر قسم کی گندگی کو ملا کر اکٹھا کرے پھر اس پلندے کو جہنم میں جھونک دے، یہی لوگ اصلیٰ دیوالیے ہیں۔³⁰

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 24

کسوٹی اُس چیز کو کہتے ہیں جو کھرے اور کھوٹے کے امتیاز کو نمایاں کرتی ہے۔ یہی مفہوم ”فر قان“ کا بھی ہے اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ اس لفظ سے کیا ہے۔ ارشاد اللہ کا مشایہ ہے کہ اگر تم دنیا میں اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرو تو تمہاری دلی خواہش یہ ہو کہ تم سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جو رضاۓ اللہ کے خلاف ہو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر وہ قوت تمیز پیدا کر دے گا جس سے قدم قدم پر تمہیں خود یہ معلوم ہوتا رہے گا کہ کون سارویہ صحیح ہے اور کون سا غلط، کس روئی میں خدا کی رضاہ ہے اور کس میں اس کی ناراضی۔ زندگی کے ہر موڑ، ہر دورا ہے، ہر نشیب اور ہر فراز پر تمہاری اندر ورنی بصیرت تمہیں بتانے لگے گی کہ کدھر قدم اٹھانا چاہیے اور کدھرنہ اٹھانا چاہیے، کوئی راہ حق ہے اور خدا کی طرف جاتی ہے اور کوئی راہ باطل ہے اور شیطان سے ملاتی ہے۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 25

یہ اس موقع کا ذکر ہے جبکہ قریش کا یہ اندیشہ یقین کی حد کو پہنچ چکا تھا کہ اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ چلے جائیں گے۔ اس وقت وہ آپس میں کہنے لگے اکہ اگر یہ شخص مکہ سے نکل گیا تو پھر خطرہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے معاملہ میں ایک آخری فیصلہ کرنے کے لیے دارالنّدّۃ میں تمام رو سائے قوم کا ایک اجتماع کیا اور اس امر پر باہم مشاورت کی کہ اس خطرے کا سدّ باب کس طرح کیا جائے۔ ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ اس شخص کو بیڑیاں پہنا کر ایک جگہ قید کر دیا جائے اور جیتے جی رہا

نہ کیا جائے۔ لیکن اس رائے کو قبول نہ کیا گیا کیونکہ کہنے والوں نے کہا کہ اگر ہم نے اسے قید کر دیا تو اس کے جو ساتھی قید خانے سے باہر ہونے کے وہ برابر اپنا کام کرتے رہیں گے اور جب ذرا بھی قوت پکڑ لیں گے تو اسے چھڑانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے میں بھی درلنگ نہ کریں گے۔ دوسرے فریق کی رائے یہ تھی کہ اسے اپنے ہاں سے نکال دو۔ پھر جب یہ ہمارے درمیان نہ رہے تو ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں کہ کہاں رہتا ہے اور کیا کرتا ہے، بہر حال اس کے وجود سے ہمارے نظام زندگی میں خلل پڑنا تو بند ہو جائے گا۔ لیکن اسے بھی یہ کہہ کر رد کر دیا گیا کہ شخص جادو بیان آدمی ہے، دلوں کو موہنے میں اسے بلا کا کمال حاصل ہے، اگر یہ یہاں سے نکل گیا تو نہ معلوم عرب کے کن کن قبیلوں کو اپنا پیرو بنالے گا اور پھر کتنی قوت حاصل کر کے قلب عرب کو اپنے انتزار میں لانے کے لیے تم پر حملہ آور ہو گا۔ آخر کار ابو جہل نے یہ رائے پیش کی کہ ہم اپنے تمام قبیلوں میں سے ایک ایک عالی نسبت تیز دست جوان منتخب کریں اور یہ سب مل کر یک بارگی محمد پر ٹوٹ پڑیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔ اس طرح محمدؐ کا خون تمام قبیلوں پر تقسیم ہو جائے گا اور بنو عبد مناف کے لیے ناممکن ہو جائے گا کہ سب سے لڑکیں اس لیے مجبوراً خوں بہا پر فیصلہ کرنے کے لیے راضی ہو جائیں گے۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا، قتل کے لیے آدمی بھی نامزد ہو گئے اور قتل کا وقت بھی مقرر کر دیا گیا، حتیٰ کہ جورات اس کام کے لیے تجویز کی گئی تھی اس میں ٹھیک وقت پر قاتلوں کا گروہ اپنی ڈیوٹی پر پہنچ بھی گیا، لیکن ان کا ہاتھ پڑنے سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے اور ان کی بنی بنائی تدبیر عین وقت پر ناکام ہو کر رہ گئی۔

▲ سورہ الانفال حاشیہ نمبر: 26

یہ بات وہ دعا کے طور پر نہیں کہتے تھے بلکہ چیخ کے انداز میں کہتے تھے۔ یعنی ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر

واقعی یہ حق ہوتا اور خدا کی طرف سے ہوتا تو اس کے جھٹلانے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہم پر آسمان سے پھربرستے اور عذاب الیم ہمارے اوپر ٹوٹ پڑتا۔ مگر جب ایسا نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ نہ حق ہے نہ مکن جانب اللہ ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 27 ▲

یہ اُن کے اس سوال کا جواب ہے جوان کی اوپر والی ظاہری دعائیں متنضم تھا۔ اس جواب میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گئی دور میں کیوں عذاب نہیں بھیجا۔ اس کی پہلی وجہ یہ تھی کہ جب تک نبی کسی بستی میں موجود ہو اور حق کی طرف دعوت دے رہا ہو اس وقت تک بستی کے لوگوں کو مهلت دی جاتی ہے اور عذاب بھیج کر قبل از وقت ان سے اصلاح پذیری کا موقع سلب نہیں کر لیا جاتا۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جب تک بستی میں سے ایسے لوگ پے در پے نکلتے چلے آ رہے ہوں جو اپنی سابقہ غفلت اور غلط روی پر مُتنبِّہ ہو کر اللہ سے معافی کی درخواست کرتے ہوں اور آئندہ کے لیے اپنے رویے کی اصلاح کر لیتے ہوں، اس وقت تک کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ اس بستی کو تباہ کر کے رکھ دے۔ البتہ عذاب کا اصلی وقت وہ ہوتا ہے جب نبی اس بستی پر حجت پوری کرنے کے بعد مایوس ہو کر وہاں سے نکل جائے یا نکال دیا جائے یا قتل کر ڈالا جائے، اور وہ بستی اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دے کہ وہ کسی صالح عنصر کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 28 ▲

یہ اشارہ اس غلط فہمی کی تردید میں ہے جو لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی تھی اور جس سے عام طور پر اہل عرب دھوکھا رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ قریش چونکہ بیت اللہ کے مجاور اور مُتوّلی ہیں اور وہاں عبادت

بجالاتے ہیں اس لیے ان پر اللہ کا فضل ہے۔ اس کے رو میں فرمایا کہ محض میراث میں مجاورت اور تولیت پالینے سے کوئی شخص یا گروہ کسی عبادتگاہ کا جائز مجادرو متولی نہیں ہو سکتا۔ جائز مجادرو متولی تو صرف خدا ترس اور پرہیز گار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایک جماعت کو، جو خالص خدا کی عبادت کرنے والی ہے، اُس عبادت گاہ میں آنے سے روکتے ہیں جو خالص خدا کی عبادت ہی کے لیے وقف کی گئی تھی۔ اس طرح یہ مُتولی اور خادم بن کر رہنے کے بجائے اس عبادت گاہ کے مالک بن بیٹھے ہیں اور اپنے آپ کو اس بات کا مختار سمجھنے لگے ہیں کہ جس یہ ناراض ہوں اسے عبادت گاہ میں نہ آنے دیں۔ یہ حرکت ان کے ناخدا ترس اور ناپرہیز گار ہونے کے صریح دلیل ہے۔ رہی ان کی عبادت جو وہ بیت اللہ میں کرتے ہیں تو اس کے اندر نہ خضوع و خشوع ہے، نہ توجہ الی اللہ ہے، نہ ذکر الی ہے، بس ایک بے معنی شور و غل اور لہو و لعب ہے جس کا نام انہوں نے عبادت رکھ چھوڑا ہے۔ ایسی نام و نہاد خدمت بیت اللہ اور ایسی جھوٹی عبادت پر آخر یہ **فضل اللہ** کے مستحق کیسے ہو گئے اور یہ چیز انہیں عذاب اللہ سے کیونکر محفوظ رکھ سکتی ہے؟

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 29 ▲

وہ سمجھتے تھے کہ عذاب اللہ صرف آسمان سے پھتروں کی شکل میں یا کسی اور طرح قوائے فطرت کے ہیجان ہی کی شکل میں آیا کرتا ہے۔ مگر یہاں انہیں بتایا گیا ہے کہ جنگ بدر میں اُن کی فیصلہ کن شکست، جس کی وجہ سے اسلام کے لیے زندگی کا اور قدیم نظام جاہلیت کے لیے موت کا فیصلہ ہوا ہے، دراصل ان کے حق میں اللہ کا عذاب ہی ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 30 ▲

اس سے بڑھ کر دیوالیہ پن اور کیا ہو سکتا ہے کہ انسان جس راہ میں اپنا تمام وقت، تمام محنت، تمام قابلیت، اور پورا سرمایہ زندگی کھپا دے اُس کی انہا پر پہنچ کر اسے معلوم ہو کہ وہ اسے سیدھی تباہی کی طرف لے آئی ہے اور اس راہ میں جو کچھ اس نے کھپایا ہے اس پر کوئی سود یا منافع پانے کے بجائے اسے اُٹا جرمانہ بھگلتنا پڑے گا۔

QuranUrdu.com

قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرُ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ
 الْأَوَّلِينَ ﴿٢٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الَّذِينُ كُلُّهُمْ بِاللَّهِ فِي إِنْ يَنْتَهُوا فَإِنَّ
 اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٩﴾ وَإِنْ تَوَلُّوا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَكُمْ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ
 النَّصِيرٌ ﴿٣٠﴾ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَ
 الْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ أَمْنَتُمْ بِاللَّهِ وَمَا آنَزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ
 الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَى الْجَمِيعُنْ طَ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣١﴾ إِذَا نُتْمُ بِالْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا وَهُمْ
 بِالْعُدُوَّةِ الْقُصُوْى وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ طَ وَلَوْ تَوَاعَدُتُمْ لَا خَتَلَفُتُمْ فِي الْمِيَعَدِ طَ وَ
 لَكِنْ لَيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لَيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيْنَةٍ وَيَحْيِي مَنْ حَيَّ عَنْ
 بَيْنَةٍ طَ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٢﴾ إِذْ يُرِيكُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا طَ وَلَوْ أَرَكُهُمْ كَثِيرًا
 لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٣﴾ وَإِذْ
 يُرِيكُمُوْهُمْ إِذَا التَّقَيْتُمْ فِي آعْيُنِكُمْ قَلِيلًا طَ وَيُقَلِّلُكُمْ فِي آعْيُنِهِمْ لَيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ
 مَفْعُولًا طَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٣٤﴾

رکو٤ ۵

اے نبی، ان کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی باز آ جائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے اس سے در گزر کر لیا جائے گا، لیکن یہ اگر اُسی پچھلی روشن کا اعادہ کریں گے تو گزشتہ قوموں کے ساتھ جو کچھ ہو چکا وہ سب کو معلوم ہے۔

اے ایمان لانے والو، ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔³¹ پھر اگر وہ فتنہ سے رُک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے، اور وہ نہ مانیں توجان رکھو کہ اللہ تمہارا سر پرست ہے اور وہ بہترین حامی و مددگار ہے۔

اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رشتہ داروں اور تیمیوں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے،³² اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی مذہبیت کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی،³³ تو یہ حصہ بخوشی ادا کرو۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یاد کرو وہ وقت جبکہ تم وادی کے اس جانب تھے اور وہ دُوسری جانب پڑا وڈا لے ہوئے تھے اور قافلہ تم سے نیچے ساحل کی طرف تھا۔ اگر کہیں پہلے سے تمہارے اور ان کے درمیان مقابلہ کی قرارداد ہو چکی ہوتی تو تم ضرور اس موقع پر پہلو تھی کر جاتے، لیکن جو کچھ پیش آیا وہ اس لیے تھا کہ جس بات کا فیصلہ اللہ کر چکا تھا اسے ظہور میں لے آئے تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے³⁴، یقیناً خدا سُننے اور جاننے والا ہے۔³⁵

اور یاد کرو وہ وقت جبکہ اے نبی، خداون کو تمہارے خواب میں تھوڑا دکھارا تھا۔³⁶ اگر کہیں وہ تمہیں اُن کی تعداد زیادہ دکھادیتا تو ضرور تم لوگ ہمت ہار جاتے اور لڑائی کے معاملہ میں جھگڑا شروع کر دیتے، لیکن اللہ ہی نے اس سے تمہیں بچایا، یقیناً وہ سینوں کا حال تک جانتا ہے۔

اور یاد کرو جب کہ مقابلے کے وقت خدا نے تم لوگوں میں دشمنوں کو تھوڑا دکھایا اور ان کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے پیش کیا، تاکہ جو بات ہوئی تھی اُسے اللہ ظہور میں لے آئے، اور آخر کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ۴۵

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 31

یہاں پھر مسلمانوں کی جنگ کے اُسی ایک مقصد کا اعادہ کیا گیا ہے جو اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیت 193 میں بیان کیا گیا تھا۔ اس مقصد کا سلبی جزیہ ہے کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور ایجادی جزیہ کہ دین بالکل اللہ کے لیے ہو جائے۔ بس یہی ایک اخلاقی مقصد ایسا ہے جس کے لیے لڑنا اہل ایمان کے لیے جائز بلکہ فرض ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے مقصد کی لڑائی جائز نہیں ہے اور نہ اہل ایمان کو زیبا ہے کہ اُس میں کسی طرح حصہ لیں۔ (تشريح کے یہ ملاحظہ ہو سورۃ بقرۃ، حواشی 204 و 205)۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 32

یہاں اُس مال غنیمت کی تقسیم کا قانون بتایا ہے جس کے متعلق تقریر کی ابتداء میں کہا گیا تھا کہ یہ اللہ کا انعام ہے جس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اللہ اور اس کے رسول ہی کو حاصل ہے۔ اب وہ فیصلہ بیان کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ لڑائی کے بعد تمام سپاہی ہر طرح کامال غنیمت لا کر امیر یا امام کے سامنے

رکھ دیں اور کوئی چیز چھپا کرنہ رکھیں۔ پھر اس مال میں سے پانچواں حصہ ان اغراض کے لیے نکال لیا جائے جو آیت میں بیان ہوئی ہیں، اور باقی چار حصے ان سب لوگوں میں تقسیم کر دیے جائیں جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا ہو۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان فرمایا کرتے تھے کہ ان ہذہ غنائمکم و انه ليس لی فيها الانصیبی معکم الخمس والخمس مردود عليکم فا دوا الخيط والبخيط و اکبر من ذلك واصغر ولا تغلوا فان الغلو عار و نار۔ ”یہ غنائم تمہارے ہی لیے ہیں، میری اپنی ذات کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اجتماعی مصالح پر صرف کر دیا جاتا ہے۔“ لہذا ایک ایک سوئی اور ایک ایک تا گاتک لاک روکھ دو، کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کرنہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک ہے اور اس کا نیجہ دوزخ ہے۔

اس تقسیم میں اللہ اور رسول کا حصہ ایک ہی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ خمس کا ایک جز اعلاء کلمة اللہ اور اقامۃ دین حق کے کام میں صرف کیا جائے۔

رشته داروں سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو حضور ہی کے رشتہ دار تھے کیونکہ جب آپ اپنا سارا وقت دین کے کام میں صرف فرماتے تھے اور اپنی معاش کے لیے کوئی کام کرنا آپ کے لیے ممکن نہ رہا تھا تو لا محالہ اس کا انتظام ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی اور آپ کے اہل و عیال اور ان دوسرے اقربا کی، جن کی کفالت آپ کے ذمہ تھی، ضروریات پوری ہوں اس لیے خمس میں آپ کے اقربا کا حصہ رکھا گیا۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضور کی وفات کے بعد ذوی القربی کا یہ حصہ کس کو پہنچتا ہے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو گیا۔ دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ حضور کے بعد یہ حصہ اس شخص کے اقربا کو پہنچے گا جو حضور کی جگہ خلافت کی خدمت انجام دے۔ تیسرا گروہ کے نزدیک یہ حصہ خاندان نبوت کے فقراء میں تقسیم کیا جاتا رہے گا۔ جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں خلفاء

راشدین کے زمانہ میں اسی تیسری رائے پر عمل ہوتا تھا۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 33

یعنی وہ تائید وہ نصرت جس کی بدولت تمہیں فتح حاصل ہوئی۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 34

یعنی ثابت ہو جائے کہ جو زندہ رہا اسے زندہ ہی رہنا چاہیے تھا اور جو ہلاک ہوا اسے ہلاک ہی ہونا چاہیے تھا۔
یہاں زندہ رہنے والے اور ہلاک ہونے والے سے مراد افراد نہیں ہیں بلکہ اسلام اور جاہلیت ہیں۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 35

یعنی خدا اندھا، بہرائے بے خبر خدا نہیں ہے بلکہ دانا و پینا ہے۔ اس کی خدائی میں اندھا دھنڈ کام نہیں ہو رہا ہے۔

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 36

یہ اس وقت کی بات ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لے کر مدینے سے نکل رہے تھے یا راستے میں کسی منزل پر تھے اور یہ متحقق نہ ہوا تھا کہ کفار کا لشکر فی الواقع کتنا ہے۔ اس وقت حضورؐ نے خواب میں اس لشکر کو دیکھا اور جو منظر آپؐ کے سامنے پیش کیا گیا اس سے آپؐ نے اندازہ لگایا کہ دشمنوں کی تعداد کچھ بہت زیادہ نہیں ہے۔ یہی خواب آپؐ نے مسلمانوں کو سنادیا اور اس سے ہمت پا کر مسلمان آگے بڑھتے چلے گئے۔

رَكْوَنٌ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِيْهَةً فَاْثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا الْعَلَىْكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٥﴾ وَ
أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَّ عُوْا فَتَفْشِلُوا وَ تَذَهَّبَ رِيحُكُمْ وَ اصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ
الصَّابِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَ لَا تَكُونُوا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَ رِئَاءَ النَّاسِ وَ يَصْدُوْنَ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ طَ وَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيطٌ ﴿٢٧﴾ وَ اذْرَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَنُ أَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا
غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ إِنِّي جَارٌ لَكُمْ فَلَمَّا تَرَأَءَتِ الْفِئَتِنِ نَكَصَ عَلَىْ
عَقَبَيْهِ وَ قَالَ إِنِّي بَرِيئٌ مِنْكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ طَ وَ اللَّهُ شَدِيدٌ

الْعِقَابِ ﴿٢٨﴾

٦ رکوٰہ

اے ایمان لانے والو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو گی۔ اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو،³⁷ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں کے سے رنگ ڈھنگ نہ اختیار کرو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کی روشنی ہے کہ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں،³⁸ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔

ذر اخیال کرو اس وقت کا جب کہ شیطان نے ان لوگوں کے کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما بنا کر دکھائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور یہ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ اُن لئے پاؤں پھر گیا اور کہنے لگا کہ میرا تمہارا ساتھ نہیں ہے، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگ نہیں دیکھتے، مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے اور خدا بڑی سخت سزاد ہے والا ہے۔^۶

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 37 ▲

یعنی اپنے جذبات و خواہشات کو قابو میں رکھو۔ جلد بازی، گھبراہٹ، ہر اس، طمع اور نامناسب جوش سے بچو۔ ٹھنڈے دل اور جچی ٹلی قوتِ فیصلہ کے ساتھ کام کرو۔ خطرات اور مشکلات سامنے ہوں تو تمہارے قدموں میں لغزش نہ آئے۔ اشتعال انگیز موقع پیش آئیں تو غمیظ و غضب کا یہجان تم سے کوئی بے محل حرکت سرزد نہ کرنے پائے۔ مصائب کا حملہ ہو اور حالات بگڑتے نظر آرہے ہوں تو اضطراب میں

تمہارے حواس پر اگنڈہ نہ ہو جائیں۔ حصول مقصد کے شوق سے بے قرار ہو کر یا کسی نیم پختہ تدبیر کو سر سری نظر میں کارگردیکھ کر تمہارے ارادے شتاب کاری سے مغلوب نہ ہوں۔ اور اگر کبھی دنیوی فوائد و منافع اور لذاتِ نفس کی ترغیبات تمہیں اپنی طرف بھارتی ہوں تو ان کے مقابلے میں بھی تمہارا نفس اس درجے کمزور نہ ہو کہ بے اختیار ان کی طرف کھینچ جاؤ۔ یہ تمام مفہومات صرف ایک لفظ ”صبر“ میں پوشیدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ان تمام حیثیات سے صابر ہوں، میری تائید انہی کو حاصل ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 38 ▲

اشارہ ہے کفار قریش کی طرف، جن کا لشکر مکہ سے اس شان سے نکلا تھا کہ گانے بجانے والی لوندیاں ساتھ تھیں، جگہ جگہ ٹھیمیر کر رقص و سردو اور شراب نوشی کی محفلیں برپا کرتے جا رہے تھے، جو جو قبلیے اور قریبے راستے میں ملتے تھے ان پر اپنی طاقت و شوکت اور اپنی کثرت تعداد اور اپنے سروسامان کا رعب جانتے تھے اور ڈینگیں مارتے تھے کہ بھلا ہمارے مقابلہ میں کون سراٹھا سکتا ہے۔ یہ تو تھی ان کی اخلاقی حالت۔، اور اس پر مزید لعنت یہ تھی کہ ان کے نکلنے کا مقصد ان کے اخلاق سے بھی زیادہ ناپاک تھا۔ وہ اس لیے جان و مال کی بازی لگانے نہیں نکلے تھے کہ حق اور راستی اور انصاف کا علم بلند ہو، بلکہ اس لیے نکلے تھے کہ ایسا نہ ہونے پائے، اور وہ اکیلا گروہ بھی جو دنیا میں اس مقصد حق کے لیے اٹھا ہے ختم کر دیا جائے تاکہ اس علم کو اٹھانے والا دنیا بھر میں کوئی نہ رہے۔ اس پر مسلمانوں کو مُتنبیہ کیا جا رہا ہے کہ تم کہیں ایسے نہ بن جانا۔ تمہیں اللہ نے ایمان اور حق پرستی کی جو نعمت عطا کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارے اخلاق بھی پاکیزہ ہوں اور تمہارا مقصد جنگ بھی پاک ہو۔

یہ ہدایت اُسی زمانہ کے لیے نہ تھی، آج کے لیے بھی ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ کفار کی فوجوں کا جو حال

اُس وقت تھا وہی آج بھی ہے۔ قحبہ خانے اور فواحش کے اڈے اور شراب کے پیپے ان کے ساتھ جزوِ لا نیک کی طرح لگے رہتے ہیں۔ خفیہ طور پر نہیں۔ بلکہ علیٰ ال علان نہایت بے شرمی کے ساتھ وہ عورتوں اور شراب کا زیادہ سے زیادہ راشن مانگتے ہیں اور ان کے سپاہیوں کو خود اپنی قوم، ہی سے یہ مطالبة کرنے میں باک نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو بڑی سے بڑی تعداد میں ان کی شہوت کا کھلونا بننے کے لیے پیش کرے۔ پھر بھلا کوئی دوسری قوم ان سے کیا امید کر سکتی ہے کہ یہ اس کو اپنی اخلاقی گندگی کی سُنڈاں بنانے میں کوئی کسر اٹھار کھیں گے۔ رہاں کا تکبر اور تفاخر تو ان کے ہر سپاہی اور ہر افسر کی چال ڈھال اور انداز گفتگو میں وہ نمایاں دیکھا جا سکتا ہے اور ان میں سے ہر قوم کے مدبرین کی تقریروں میں لَاغَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ اور مَنْ آشَدُ مِنَّا قُوَّةً کی ڈینگیں سُنی جا سکتی ہیں۔ ان اخلاقی نجاستوں سے زیادہ ناپاک ان کے مقاصد جنگ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نہایت مکاری کے ساتھ دنیا کو یقین دلاتا ہے کہ اس کے پیش نظر انسانیت کی فلاح کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مگر در حقیقت ان کے پیش نظر ایک فلاح انسانیت ہی نہیں ہے، باقی سب کچھ ہے۔ ان کی لڑائی کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدا نے اپنی زمین میں جو کچھ سارے انسانوں کے لیے پیدا کیا ہے اس پر تنہا ان کی قوم متصرف ہو اور دوسرے اس کے چاکر اور دست مگر بن کر رہیں۔ پس اہل ایمان کو قرآن کی یہ دائمی ہدایت ہے کہ ان فساق و فجار کے طور طریقوں سے بھی بچپیں اور ان ناپاک مقاصد میں بھی اپنی جان و مال کھانے سے پرہیز کریں جن کے لیے یہ لوگ لڑتے ہیں۔

رَكْوَءٍ

إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرَّهُؤُلَاءِ دِينُهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلُ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ تَرَى إِذْ يَتَوَفَّ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلِئَكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٣٠﴾ ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُ أَيْدِيهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٣١﴾ كَذَابٌ أَلِ فِرْعَوْنٌ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوا بِأَيْتِ اللَّهِ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٣٢﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُنْ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٣﴾ كَذَابٌ أَلِ فِرْعَوْنٌ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَبُوا بِأَيْتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا أَلِ فِرْعَوْنَ وَكُلُّ كَانُوا ظَلِيمِينَ ﴿٣٤﴾ إِنَّ شَرَ الدَّوَآبِ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَقْوُنَ ﴿٣٦﴾ فَإِمَّا تَشَقَّقَنَهُمْ فِي الْحَرَبِ فَشَرِدُّهُمْ مَنْ حَلَفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٣٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَأَنْبِذُ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُ الْخَاطِئِينَ ﴿٣٨﴾

دکو٤ >

جب کہ منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے، کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو تو ان کے دین نے خط میں مبتلا کر رکھا ہے۔³⁹ حالانکہ اگر کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو یقیناً اللہ بڑا ذرا بردست اور دانا ہے۔ کاش! تم اُس حالت کو دیکھ سکتے جب کہ فرشتے مقتول کافروں کی رُوحیں قبض کر رہے تھے۔ وہ ان کے چہروں اور ان کے گولھوں پر ضربیں لگاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے ”لواب جلنے کی سزا بُھگتو، یہ وہ جزا ہے جس کا سامان تمہارے اپنے ہاتھوں نے پیشگی مہیا کر رکھا تھا، ورنہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“ یہ معاملہ ان کے ساتھ اُسی طرح پیش آیا جس طرح آلِ فرعون اور ان سے پہلے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ پیش آتا رہا ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کو ماننے سے انکار کیا اور اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں بکڑ لیا۔ اللہ قوت رکھتا ہے اور سخت سزادی نے والا ہے۔ یہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہوا کہ وہ کسی نعمت کو جو اس نے کسی قوم کو عطا کی ہو اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم خود اپنے طرزِ عمل کو نہیں بدل دیتی۔⁴⁰ اللہ سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔ آلِ فرعون اور ان سے پہلے کی قوموں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ اسی ضابطے کے مطابق تھا۔ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تب ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کیا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا۔ یہ سب ظالم لوگ تھے۔

یقیناً اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والی مخلوق میں سب سے بدتر وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو ماننے سے انکار کر دیا پھر کسی طرح وہ اسے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ ﴿خُصُوصًا﴾ ان میں سے وہ لوگ جن کے ساتھ تو نے معاہدہ کیا پھر وہ ہر موقع پر اس کو توجہتے ہیں اور ذرا خدا کا خوف نہیں کرتے۔⁴¹ پس اگر یہ لوگ

تمہیں لڑائی میں مل جائیں تو ان کی ایسی خبر لو کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ایسی روشن اختیار کرنے والے ہوں ان کے حوالے باختہ ہو جائیں۔⁴² توقع ہے کہ بد عہدوں کے اس انجام سے وہ سبق لیں گے۔ اور اگر کبھی تمہیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاهدے کے علاوہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً⁴³ اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 39 ▲

یعنی مدینہ کے منافقین اور وہ سب لوگ جو دنیا پرستی اور خدا سے غفلت کے مرض میں گرفتار تھے، یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر بے سرو سامان جماعت قریش جیسی زبردست طاقت سے ٹکرانے کے لیے جا رہی ہے، آپس میں کہتے تھے کہ یہ لوگ اپنے دینی جوش میں دیوانے ہو گئے ہیں، اس معرکہ میں ان کی تباہی یقینی ہے، مگر اس نبی نے کچھ ایسا افسوس ان پر پھونک رکھا ہے کہ ان کی عقل خبط ہو گئی ہے اور آنکھوں دیکھے یہ موت کے منہ میں چلے جا رہے ہیں۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 40 ▲

یعنی جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو پوری طرح اللہ کی نعمت کا غیر مستحق نہیں بنادیتی اللہ اُس سے اپنی نعمت سلب نہیں کیا کرتا۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 41 ▲

یہاں خاص طور پر اشارہ ہے یہود کی طرف، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے انہی کے ساتھ حسن جوار اور باہمی تعاون و مددگاری کا معاهدہ کیا تھا اور اپنی حد تک پوری

کو شش کی تھی کہ ان سے خو شگوار تعلقات قائم رہیں۔ نیز دینی حیثیت سے بھی آپ یہود کو مشرکین کی بہ نسبت اپنے قریب تر سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں مشرکین کے بال مقابل اہل کتاب ہی کے طریقہ کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن ان کے علماء اور مشائخ کو توحید خالص اور اخلاق صالحہ کہ وہ تبلیغ اور اعتقادی و عملی گمراہیوں پر وہ تنقید اور اقامست دین حق کی وہ سعی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے، ایک آن نہ بھاتی تھی اور ان کی پیغم کوشش یہ تھی کہ یہ نئی تحریک کسی طرح کامیاب نہ ہونے پائے۔ اسی مقصد کے لیے وہ مدینہ کے منافق مسلمانوں سے ساز باز کرتے تھے۔ اسی کے لیے وہ اوس اور خرزنج کے لوگوں میں ان پر انی عداد توں کو بھڑکاتے تھے جو اسلام سے پہلے ان کے درمیان کشت و خون کی موجب ہوا کرتی تھیں۔ اسی کے لیے قریش اور دوسرے مخالفِ اسلام قبیلوں سے ان کی خفیہ سازیں چل رہی تھیں اور یہ سب حرکات اُس معاہدہ دوستی کے باوجود ہورہی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان لکھا جا چکا تھا۔ جب جنگ بدر واقع ہوئی تو ابتدا میں ان کو توقع تھی کہ قریش کی پہلی ہی چوت اس تحریک کا خاتمه کر دے گی۔ لیکن جب نتیجہ ان کی توقعات کے خلاف نکلا تو ان کے سینوں کی آتش حسد اور زیادہ بھڑک اٹھی۔ انہوں نے اس اندیشہ سے کہ بدر کی فتح کہیں اسلام کی طاقت کو ایک مستقل ”خطرہ“ نہ بنادے اپنی مخالفانہ کوششوں کو تیز تر کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کا ایک لیڈر کعب بن اشرف (جو قریش کی شکست سنتے ہی چیخ اٹھا تھا کہ آج زمین کا پیٹ ہمارے لیے اُس کی پیٹھ سے بہتر ہے) خود مکہ گیا اور وہاں سے اس نے ہیجان انگیز مریضہ کہہ کر قریش کو انتقام کا جوش دلا یا۔ اس پر بھی ان لوگوں نے بس نہ کی۔ یہودیوں کے قبیلہ بنی قینقاع نے معاہدہ حسن جوار کے خلاف ان مسلمان عورتوں کو چھیڑنا شروع کیا جوان کی بستی میں کسی کام سے جاتی تھیں۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حرکت پر ملامت کی تو انہوں نے جواب میں دھمکی دی کہ ” یہ قریش نباشد، ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں اور لڑنا جانتے ہیں۔ ہمارے مقابلہ میں آؤ گے تب

تمہیں پتہ چلے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔“

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 41 ▲

یہاں خاص طور پر اشارہ ہے یہود کی طرف، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے انہی کے ساتھ حسن جوار اور باہمی تعاون و مددگاری کا معاہدہ کیا تھا اور اپنی حد تک پوری کوشش کی تھی کہ ان سے خو شگوار تعلقات قائم رہیں۔ نیز دینی حیثیت سے بھی آپ یہود کو مشرکین کی بہ نسبت اپنے قریب تر سمجھتے تھے اور ہر معاملہ میں مشرکین کے بال مقابل اہل کتاب ہی کے طریقہ کو ترجیح دیتے تھے۔ لیکن ان کے علماء اور مشائخ کو توحید خالص اور اخلاق صالحہ کہ وہ تبلیغ اور اعتقادی و عملی گمراہیوں پر وہ تنقید اور اقامت دین حق کی وہ سعی، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے تھے، ایک آن نہ بھاتی تھی اور ان کی پیغم کوشش یہ تھی کہ یہ نئی تحریک کسی طرح کامیاب نہ ہونے پائے۔ اسی مقصد کے لیے وہ مدینہ کے منافق مسلمانوں سے ساز باز کرتے تھے۔ اسی کے لیے وہ اوس اور خرزنج کے لوگوں میں ان پر انی عداد توں کو بھڑکاتے تھے جو اسلام سے پہلے ان کے درمیان کشت و خون کی موجب ہوا کرتی تھیں۔ اسی کے لیے قریش اور دوسرے مخالف اسلام قبیلوں سے ان کی خفیہ سازیں چل رہی تھیں اور یہ حرکات اُس معاہدہ دوستی کے باوجود ہو رہی تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے درمیان لکھا جا چکا تھا۔ جب جنگ بدر واقع ہوئی تو ابتداء میں ان کو توقع تھی کہ قریش کی پہلی ہی چوٹ اس تحریک کا خاتمه کر دے گی۔ لیکن جب نتیجہ ان کی توقعات کے خلاف نکلا تو ان کے سینوں کی آتش حسد اور زیادہ بھڑک اُٹھی۔ انہوں نے اس اندیشہ سے کہ بدر کی فتح کہیں اسلام کی چاقت کو ایک مستقل ”خطرہ“ نہ بنادے اپنی مخالفانہ کوششوں کو تیز تر کر دیا۔ حتیٰ کہ ان کا ایک لیڈر کعب بن اشرف (جو قریش کی شکست سننے ہی چیز اٹھا تھا) کے

آج زمین کا پیٹ ہمارے لیے اُس کی پیٹھ سے بہتر ہے) خود مکہ گیا اور وہاں سے اس نے یہ جان انگیز مریشی کہہ کر قریش کو انتقام کا جوش دلا یا۔ اس پر بھی ان لوگوں نے بس نہ کی۔ یہودیوں کے قبیلہ بنی تینقاش نے معاہدہ حسن جوار کے خلاف ان مسلمان عورتوں کو چھیڑنا شروع کیا جو ان کی بستی میں کسی کام سے جاتی تھیں۔ اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حرکت پر ملامت کی تو انہوں نے جواب میں دھمکی دی کہ ” یہ قریش نباشد، ہم لڑنے مرنے والے لوگ ہیں اور لڑنا جانتے ہیں۔ ہمارے مقابلہ میں آؤ گے تب تمہیں پتہ چلے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔“

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 42 ▲

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی قوم سے ہمارا معاہدہ ہو اور پھر وہ اپنی معاہدانہ ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال کر ہمارے خلاف کسی جنگ میں حصہ لے، تو ہم بھی معاہدے کی اخلاقی ذمہ داریوں سے سُبک دوش ہو جائیں گے اور ہمیں حق ہو گا کہ اس سے جنگ کریں۔ نیز اگر کسی قوم سے ہماری لڑائی ہو رہی ہو اور ہم دیکھیں کہ دشمن کے ساتھ ایک ایسی قوم کے افراد بھی شریک جنگ ہیں جس سے ہمارا معاہدہ ہے، تو ہم ان کو قتل کرنے اور ان سے دشمن کا سامعاملہ کرنے میں ہرگز کوئی تائُل نہ کریں گے، کیونکہ انہوں نے اپنی انفرادی حیثیت میں اپنی قوم کے معاہدے کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو اس کا مستحق نہیں رہنے دیا ہے کہ ان کی جان و مال کے معاملہ میں اس معاہدے کا احترام ملحوظ رکھا جائے جو ہمارے اور ان کی قوم کے درمیان ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 43 ▲

اس آیت کے رو سے ہمارے لیے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ اگر کسی شخص یا گروہ یا ملک سے ہمارا معاہدہ

ہو اور ہمیں اس کے طرزِ عمل سے یہ شکایت لاحق ہو جائے کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی بر تر رہا ہے، یا یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ موقع پاتے ہی ہمارے ساتھ غداری کر بیٹھے گا، تو ہم اپنی جگہ خود فیصلہ کر لیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدہ نہیں رہا اور یکاک اس کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرنا شروع کر دیں جو معاہدہ نہ ہونے کے صورت ہی میں کیا جاسکتا ہو۔ اس کے بر عکس ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی مخالفانہ کارروائی کرنے سے پہلے فریق ثانی کو صاف صاف بتا دیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ باقی نہیں رہا، تاکہ فسخ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو حاصل ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے۔ اسی فرمان اللہ کے مطابق بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی بین الاقوامی پالیسی کا یہ مستقل اصول قرار دیا تھا کہ من کان بینہ و بین قوم عهد فلا یحلن عقدہ حتی ینقضی امدها اوینبز الیهم عل سواع۔ ”جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہوا سے چاہیے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے پہلے عہد کا بندنہ کھولے۔ یا نہیں تو ان کا عہد برابری کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے۔“ پھر اسی قاعدے کو آپ نے اور زیادہ پھیلا کر تمام معاملات میں عام اصول یہ قائم کیا تھا کہ لاتخن من خاذک ”جو تجھ سے خیانت کرے تو اس سے خیانت نہ کر۔“ اور یہ اصول صرف وعظوں میں بیان کرنے اور کتابوں کی زینت بننے کے لیے نہ تھا بلکہ عملی زندگی میں بھی اس کی پابندی کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب امیر معاویہ نے اپنے عہد بادشاہی میں سرحد روم پر فوجوں کا اجتماع اس غرض سے کرنا شروع کیا کہ معاہدے کی مدت ختم ہوتے ہی یکاک رومی علاقہ پر حملہ کر دیا جائے تو ان کی اس کارروائی پر عمر بن عنبرؑ صحابیؓ نے سخت احتجاج کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حدیث سن کر کہا کہ معاہدے کی مدت کے اندر یہ معاندانہ طرزِ عمل اختیار کرنا غداری ہے۔ آخر کار امیر معاویہ کو اس اصول کے آگے سر جھکا دینا پڑا اور سرحد پر اجتماع فوج روک دیا گیا۔

یک طرفہ فسخ معاہدہ اور اعلان جنگ کے بغیر حملہ کر دینے کا طریقہ قدیم جاہلیت میں بھی تھا اور زمانہ حال کی مہذب جاہلیت میں بھی اس کاررواج موجود ہے۔ چنانچہ اس کی تازہ ترین مثالیں جنگ عظیم 2 میں روس پر جرمنی کے حملے اور ایران کے خلاف روس و برطانیہ کی فوجی کارروائی میں دیکھی گئی ہیں۔ عموماً اس کارروائی کے لیے یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ حملے سے پہلے مطلع کر دینے سے دوسرا فریق ہوشیار ہو جاتا اور سخت مقابلہ کرتا، یا اگر ہم مداخلت نہ کرتے تو ہمارا دشمن فائدہ اٹھایتا لیکن اس قسم کے بہانے اگر اخلاقی ذمہ داریوں کو ساقط کر دینے کے لیے کافی ہوں تو پھر کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی بہانے نہ کیا جاسکتا ہو۔ ہر چور، ہر ڈاکو، ہر زانی، ہر قاتل، ہر جعل ساز اپنے جرام کے لیے ایسی ہی کوئی مصلحت بیان کر سکتا ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ بین الاقوامی سوسائٹی میں قوموں کے لیے اُن بہت سے افعال کو جائز سمجھتے ہیں جو خود ان کی نگاہ میں حرام ہیں جب کہ ان کا ارتکاب قومی سوسائٹی میں افراد کی جانب سے ہو۔

اس موقع پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اسلامی قانون صرف ایک صورت میں بلا اطلاع حملہ کرنے کو جائز رکھتا ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ فریق ثانی علی العلان معاہدہ کو توڑ چکا ہو اور اس نے صریح طور پر ہمارے خلاف معاندانہ کارردائی کی ہو۔ ایسی صورت میں یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہم اسے آیت مذکورہ بالا کے مطابق فسخ معاہدہ کا نوٹس دیں، بلکہ ہمیں اس کے خلاف بلا اطلاع جنگی کارروائی کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ فقہائے اسلام نے یہ استثنائی حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے نکالا ہے کہ قریش نے جب بنی ہزارہ کے معاملے میں صلح حدبیہ کو علانیہ توڑ دیا تو آپ نے پھر انہیں فسخ معاہدہ کا نوٹس دینے کی کوئی ضرورت نہ سمجھی، بلکہ بلا اطلاع مکہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن اگر کسی موقع پر ہم اس قاعدہ استثناء سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو لازم ہے کہ وہ تمام حالات ہمارے پیش نظر رہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کارروائی کی تھی، تاکہ پیروی ہو تو آپ کے پورے طرز عمل کہ ہونہ کہ اس کے کسی ایک مفید مطلب جزء

کی۔ حدیث اور سیرت کی کتابوں سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ : اولاً، قریش کی خلاف ورزی عہد ایسی صریح تھی کہ اس کے نقضِ عہد ہونے میں کسی کلام کا موقع نہ تھا۔ خود قریش کے لوگ بھی اس کے معرف تھے کہ واقعی معاهدہ ٹوٹ گیا ہے۔ انہوں نے خود ابوسفیان کو تجدید عہد کے لیے مدینہ بھیجا تھا جس کے صاف معنی یہی تھے کہ اُن کے نزدیک بھی عہد باقی نہیں رہا تھا۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ناقض عہد قوم کو خود بھی اپنے نقض عہد کا اعتراف ہو۔ البتہ یہ یقیناً ضروری ہے کہ نقض عہد بالکل صریح اور غیر مشتبہ ہو۔

ثانیاً، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے عہد ٹوٹ جانے کے بعد پھر اپنی طرف سے صراحتاً اشارتاً و کنایتاً ایسی کوئی بات نہیں کی کہ جس سے یہ ایمان لکتا ہو کہ اس بد عہدی کے باوجود آپ ابھی تک اُن کو ایک معاهد قوم سمجھتے ہیں اور ان کے ساتھ آپ کے معاهدانہ روابط اب بھی قائم ہیں۔ تمام روایات بالاتفاق یہ بتاتی ہیں کہ جب ابوسفیان نے مدینہ آ کر تجدید معاهدہ کی درخواست پیش کی تو آپ نے اسے قبول نہیں کیا۔

ثالثاً، قریش کے خلاف جنگی کارروائی آپ نے خود کی اور کھلم کھلا کی۔ کسی ایسی فریب کاری کا شائنبہ تک آپ کے طرز عمل نہیں پایا جاتا کہ آپ نے بظاہر صلح اور باطن جنگ کا کوئی طریقہ استعمال فرمایا ہو۔ یہ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہے، لہذا آیت مذکورہ بالا کے حکم عام سے ہٹ کر اگر کوئی کارروائی کی جاسکتی ہے تو ایسے ہی مخصوص حالات میں کی جاسکتی ہے اور اسی سیدھے شریفانہ طریقہ سے کی جاسکتی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔

مزید برآں اگر کسی معاهد قوم سے کسی معاملہ میں ہماری نزع اور جائے اور ہم دیکھیں کہ گفت و شنید یا میں الاقوامی ثالثی کے ذریعہ سے وہ نزع طے نہیں ہوتی، یا یہ کہ فریق ثانی اس کو بزر طے کرنے پر تلا ہوا ہے،

تو ہمارے لیے یہ بالکل جائز ہے کہ ہم اُس کو طے کرنے میں طاقت استعمال کریں، لیکن آیت مذکورہ بالا ہم پر یہ اخلاقی ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ ہمارا یہ استعمالِ طاقت صاف اعلان کے بعد ہونا چاہیے اور کھلم کھلا ہونا چاہیے۔ چوری چھپے ایسی جنگی کارروائیاں کرنا جن کا علانیہ اقرار کرنے کے لیے ہم تیار نہ ہوں، ایک بد اخلاقی ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہم کو نہیں دی ہے۔

رَكْوَةٌ

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبُّوا إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٢٩﴾ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا أُسْتَطِعُمُ مِنْ قُوَّةٍ
 وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمْ
 أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَآتُوكُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَ
 إِنْ جَنَحُوا إِلَى السُّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا
 أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٢﴾ وَالْفَ بَيْنَ
 قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا آفَتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ
 بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

دکوع ۸

منکرین حق اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ بازی لے گئے، یقیناً وہ ہم کو ہر انہیں سکتے۔

اور تم لوگ، جہاں تک تمہارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے اُن کے مقابلہ کے لیے مہیا رکھو ⁴⁴ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور اُن دوسرے اعداء کو خوف زدہ کر دو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے اُس کا پورا پورا بدل تمہاری طرف پلٹایا جائے گا اور تمہارے ساتھ ہرگز ظلم نہ ہو گا۔

اور اے نبی، اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سب کچھ سُننے اور جاننے والا ہے۔ اور اگر وہ دھوکے کی نیت رکھتے ہوں تو تمہارے لیے اللہ کافی ہے۔ ⁴⁵ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی اور مومنوں کے دل ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیے۔ تم روزے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو ان لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے تھے مگر وہ اللہ ہے جس نے ان لوگوں کے دل جوڑے ⁴⁶، یقیناً وہ بڑا زبردست اور دانا ہے۔ اے نبی، تمہارے لیے اور تمہارے پیرو اہل ایمان کے لیے تو بس اللہ کافی ہے۔ ^{۴۶}

▲ سورۃ الانفال حاشیہ نمبر: 44

اس سے مطلب یہ ہے کہ تمہارے پاس سامانِ جنگ اور ایک مستقل فوج (Standing Army) ہر وقت تیار رہنی چاہیے تاکہ بوقتِ ضرورت فوراً جنگی کارروائی کر سکو۔ یہ نہ ہو کہ خطرہ سر پر آنے کے بعد گھبراہٹ میں جلدی رضا کار اور اسلحہ اور سامانِ رسد جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور اس اثنامیں

کہ یہ تیاری مکمل ہو، دشمن اپنا کام کر جائے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 45 ▲

یعنی بین الاقوامی معاملات میں تمہاری پالیسی بزدلانہ نہیں ہونی چاہیے بلکہ خدا کے بھروسہ پر بہادرانہ اور دلیرانہ ہونی چاہیے۔ دشمن جب گفتگوئے مصالحت کی خواہش ظاہر کرے، بے تکلف اس کے لیے تیار ہو جاؤ اور صلح کے لیے ہاتھ بڑھانے سے اس بنا پر انکار نہ کرو کہ وہ نیک نیت کے ساتھ صلح نہیں کرنا چاہتا بلکہ غداری کا ارادہ رکھتا ہے۔ کسی کی نیت بہر حال یقینی طور پر معلوم نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ واقعی صلح ہی کی نیت رکھتا ہو تو تم خواہ اس کی نیت پر شبہ کر کے خونریزی کو طول کیوں دو۔ اور اگر وہ عذر کی نیت رکھتا ہو تو تمہیں خدا کے بھروسے پر بہادر ہونا چاہیے۔ صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کے جواب میں ہاتھ بڑھاؤ تاکہ تمہاری اخلاقی برتری ثابت ہو، اور لڑائی کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کو اپنی قوت بازو سے توڑ کر سچینک دو تاکہ کبھی کوئی غدار قوم تمہیں نرم چارہ سمجھنے کی جرات نہ کرے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 46 ▲

اشارہ ہے اُس بھائی چارے اور اُلفت و محبت کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والے اہل عرب کے درمیان پیدا کر کے ان کو ایک مضبوط جتحا بنادیا تھا، حالانکہ اس جتحے کے افراد ان مختلف قبیلوں سے نکلے ہوئے تھے جن کے درمیان صدیوں سے دشمنیاں چلی آرہی تھیں۔ خصوصیت کے ساتھ اللہ کا یہ فضل اوس و خزرج کے معاملہ میں توسیب سے زیادہ نمایاں تھا۔ یہ دونوں قبیلے دو ہی سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاس سے تھے اور مشہور جنگ بعاث کو کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے جس میں اوس نے خزرج کو اور خزرج نے اوس کو گویا صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا تھیہ کر لیا تھا۔ ایسی شدید عدد اتوں کو دو تین سال کے

اندر گھری دوستی و برادری میں تبدیل کر دینا اور ان متنافر افزائے کو جوڑ کر ایسی ایک بنیان مرصوص بنادینا جیسی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلامی جماعت تھی، یقیناً انسان کی طاقت سے بالاتر تھا اور دنیوی اسباب کی مدد سے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام نہیں پاسکتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہماری تائید و نصرت نے یہ کچھ کر دکھایا ہے تو آئندہ بھی تمہاری نظر دنیوی اسباب پر نہیں بلکہ خدا کی تائید پر ہونی چاہیے کہ جو کچھ کام بنے گا اسی سے بنے گا۔

QuranUrdu.com

رَكْوَن٩٦

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَدِرُونَ يَغْلِبُوْا
 مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةً يَغْلِبُوْا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُوْنَ
 ٢٥ أَلْئَنَ حَفَّ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةً صَابِرَةً
 يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوْا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ
 ٢٦ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ
 اللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٢٧ لَوْلَا كَتَبَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَكُمْ فِيمَا
 آخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ٢٨ فَكُلُّوْا مِمَّا غَنِيْمَتُمْ حَلَّا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

رَحْمٌ ٢٩

۹ دکوں

اے نبی، مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی صابر ہوں تو وہ دوسوپر غالب آئیں گے اور اگر سو آدمی ایسے ہوں تو منکرین حق میں سے ہزار آدمیوں پر بھاری رہیں گے کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔⁴⁷ اچھا، اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کیا اور اسے معلوم ہوا کہ ابھی تم میں کمزوری ہے، پس اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں تو وہ دوسوپر اور ہزار آدمی ایسے ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آئیں گے،⁴⁸ اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔

کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دُنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیش نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نوشۂ پہلے نہ لکھا جا چکا ہو تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو⁴⁹،
بِقِيَّاً اللَّهُ درَگَزِرَ كَرْنَے والا اور حُمْ فرمانے والا ہے۔^{۹۶}

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 47 ▲

آج کل کی اصطلاح میں جس چیز کو قوتِ معنوی یا قوتِ اخلاقی (Morale) کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسی کو فقہ و فہم اور سمجھ بوجھ (Understanding) سے تعبیر کیا ہے، اور یہ لفظ اس مفہوم کے لیے جدید اصطلاح سے زیادہ سائنسیفیک ہے۔ جو شخص اپنے مقصد کا صحیح شعور رکھتا ہو اور ٹھنڈے دل سے خوب سوچ سمجھ کر اس لیے لٹر رہا ہو کہ جس چیز کے لیے وہ جان کی بازی لگانے آیا ہے وہ اس کی انفرادی زندگی سے

زیادہ قیمتی ہے اور اس کے ضائع ہو جانے کے بعد جینا بے قیمت ہے، وہ بے شعوری کے ساتھ لڑنے والے آدمی سے کئی گناہ زیادہ طاقت رکھتا ہے اگرچہ جسمانی طاقت میں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہ ہو۔ پھر جس شخص کو حقیقت کا شعور حاصل ہو، جو اپنی ہستی اور خدا کی ہستی اور خدا کے ساتھ اپنے تعلق اور حیات دنیا کی حقیقت اور موت کی حقیقت اور حیات بعد موت کی حقیقت کو اچھی طرح جانتا ہو اور جسے حق اور باطل کے فرق اور غلبہ باطل کے نتائج کا بھی صحیح ادراک ہو، اس کی طاقت کو تو وہ لوگ بھی نہیں پہنچ سکتے جو قومیت یا وطنیت یا طبقاتی نزاع کا شعور لیے ہوئے میدان میں آئیں اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ ایک سمجھ بو جھ رکھنے والے مومن اور ایک کافر کے درمیان حقیقت کے شعور اور عدم شعور کی وجہ سے فطرۃً ایک اور دس کی نسبت ہے۔ لیکن یہ نسبت صرف سمجھ بو جھ سے قائم نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ صبر کی صفت بھی ایک لازمی شرط ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 48 ▲

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے ایک اور دس کی نسبت تھی اور اب چونکہ تم میں کمزوری آگئی ہے اس لیے ایک اور دو کی نسبت قائم کر دی گئی ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اصولی اور معیاری حیثیت سے تو اہل ایمان اور کفار کے درمیان ایک اور دس ہی کی نسبت ہے، لیکن چونکہ ابھی تم لوگوں کی اخلاقی تربیت مکمل نہیں ہوئی ہے اور ابھی تک تمہارا شعور اور تمہاری سمجھ بو جھ کا پیانا بلوغ کی حد کو نہیں پہنچا ہے اس لیے سرِ دست بر سبیلِ ترپُل تم سے یہ مطالبه کیا جاتا ہے کہ اپنے سے دو گنی طاقت سے ٹکرانے میں تو تمہیں کوئی تأمل نہ ہونا چاہیے۔ خیال رہے کہ یہ ارشاد سن 2 ہجری کا ہے جب کہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ ابھی تازہ تازہ ہی داخل اسلام ہوئے تھے اور ان کی تربیت ابتدائی حالت میں تھی۔ بعد میں جب نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں یہ لوگ چنگی کو پہنچ گئے تو فی الواقع ان کے اور کفار کے درمیان ایک اور دس ہی کی نسبت قائم ہو گئی، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر عہد اور خلفاء راشدین کے زمانہ کی لڑائیوں میں بارہا اس کا تجربہ ہوا ہے۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 49 ▲

اس آیت کی تفسیر میں اہل تاویلے جو روایات بیان کی ہیں وہ یہ ہیں کہ جنگ بدر میں لشکر قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے تھے ان کے متعلق بعد میں مشورہ ہوا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ نے رائے دی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے، اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ قتل کر دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے قبول کی اور فدیہ کا معاملہ طے کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات بطور عتاب نازل فرمائیں۔ مگر مفسرین آیت کے اس فقرے کی کوئی معقول تاویل نہیں کر سکے ہیں کہ ”اگر اللہ کا نوشته پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا۔“ وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تقدیر الٰہی ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے لیے غنائم کو حلال کر دے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک وحی تشریعی کے ذریعہ سے کسی چیز کی اجازت نہ دی گئی ہو، اس کا لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت پوری اسلامی جماعت اس تاویلی رو سے گناہ گار قرار پاتی ہے اور ایسی تاویل کو اخبار احادیث کے اعتماد پر قبول کر لینا ایک بڑی ہی سخت بات ہے۔

میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورہ محمد میں جنگ کے متعلق جوابِ بدائلی ہدایات دی گئی تھیں، ان میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ ”فَإِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرِبُهُمْ حَتَّىٰ إِذَا آتَخْتَمْتُمُوهُمْ فَشَدُّو الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًا بَعْدُو إِمَّا فِدَآءَ حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْ زَارَهَا“

(آیت 4) اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچھ دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق، مگر غلطی یہ ہوئی کہ ”دشمن کی طاقت کو کچل دینے“ کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتا ہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا یہ بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمنوں کا کچھ دور تک تعاقب کیا۔ حالاں کہ اگر مسلمان پوری طاقت سے اُن کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمه ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرمرا ہے اور یہ عتاب بنی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر ہے۔ فرمان مبارک کا منشاء یہ ہے کہ ”تم لوگ ابھی نبی کے مشن کو اچھی طرح نہیں سمجھے ہو۔ نبی کا اصل کام یہ نہیں ہے کہ فدیہ اور غناائم وصول کر کے خزانے بھرے، بلکہ اس کے نصب العین سے جو چیز بر اہ راست تعلق رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ کفر کی طاقت ٹوٹ جائے۔ مگر تم لوگوں پر بار بار دنیا کا لمحہ غالب ہو جاتا ہے۔ پہلے دشمن کی اصل طاقت کے بجائے قافلے پر حملہ کرنا چاہا، پھر دشمن کا سر کھلنے کے بجائے غنیمت لوٹنے اور قیدی پکڑنے میں لگ گئے، پھر غنیمت پر جھگڑنے لگے۔ اگر ہم پہلے فدیہ وصول کرنے کی اجازت نہ دے چکے ہوتے تو اس پر تمہیں سخت سزا دیتے۔ خیر اب جو کچھ تم نے لیا ہے وہ کھالو، مگر آئندہ ایسی روشن سے بچتے رہو جو خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔“ میں اس رائے پر پہنچ چکا تھا کہ امام جعماص کی کتاب ”احکام القرآن“ میں یہ دیکھ کر مجھے مزید اطمینان حاصل ہوا کہ امام موصوف بھی اس تاویل کو کم از کم قابل لحاظ ضرور قرار دیتے ہیں۔ پھر سیرت ابن ہشام میں یہ روایت نظر سے گزری کہ جس وقت مجاہدین اسلام مال غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ

ہوئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت سعد بن معاذ کے چہرے پر کچھ کراہت کے آثار ہیں۔ حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ ”اے سعد، معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی یہ کاروائی تمہیں پسند نہیں آ رہی ہے۔“ انہوں نے عرض کیا ”جی ہاں یا رسول اللہ، یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کو شکست دلوائی ہے، اس موقع پر انہیں قیدی بنا کر ان کی جانبیں بچالینے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ان کو خوب کچل ڈالا جاتا و جلد 2۔ صفحہ 281-280۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيهِكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ
خَيْرًا إِمَّا أَخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرُ لَكُمْ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ
خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلِ فَآمَكُنَّ مِنْهُمْ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَا جَرُوا وَ
جَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ أَوْفُوا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أُولَئِكَءَ
بَعْضٍ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَا جَرُوا أَمَانَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَا جَرُوا
وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيَثَاقٌ ۖ وَ
اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أُولَئِكَءَ بَعْضٍ ۖ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ
فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَيْرٌ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَا جَرُوا وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ
الَّذِينَ أَوْفُوا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٥﴾ وَالَّذِينَ
آمَنُوا مِنْ بَعْدِهِمْ هَا جَرُوا وَجَهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ ۖ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ
أُولُى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٦﴾

دکوں ۱۰

اے نبی، تم لوگوں کے قبضے میں جو قیدی ہیں ان سے کہو کہ اگر اللہ کو معلوم ہوا کہ تمہارے دلوں میں کچھ خیر ہے تو وہ تمہیں اُس سے بڑھ چڑھ کر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہاری خطائیں معاف کرے گا، اللہ در گزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ لیکن اگر وہ تیرے ساتھ خیانت کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس سے پہلے وہ اللہ کے ساتھ خیانت کرچکے ہیں، چنانچہ اُسی کی سزا اللہ نے انہیں دی کہ وہ تیرے قابو میں آگئے، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکیم ہے۔

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں اور اپنے مال کھپائے، اور جن لوگوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی، وہی دراصل ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان تو لے آئے مگر ہجرت کر کے دارالاسلام میں آنہیں گئے تو ان سے تمہارا ولایت کا کوئی تعلق نہیں ہے جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آجائیں۔⁵⁰ ہاں اگر وہ دین کے معاملے میں تم سے مدد مانگیں تو ان کی مدد کرنا تم پر فرض ہے، لیکن کسی ایسی قوم کے خلاف نہیں جس سے تمہارا معاہدہ ہو۔⁵¹ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھتا ہے۔ جو لوگ منکرِ حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔ اگر تم یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو گا۔⁵²

جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے خطاؤں سے در گزر ہے اور بہترین رزق ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آگئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔ مگر اللہ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں،⁵³ یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ ۶۰

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 50 ▲

یہ آیت اسلام کے دستوری قانون کی ایک اہم دفعہ ہے۔ اس میں یہ اصول مقرر کیا گیا ہے کہ ”ولایت“ کا تعلق صرف اُن مسلمانوں کے درمیان ہو گا جو یا تو دارالاسلام کے باشندے ہوں، یا اگر باہر سے آئیں تو ہجرت کر کے آجائیں۔ باقی رہے وہ مسلمان جو اسلامی ریاست کے حدودِ ارضی سے باہر ہوں، تو ان کے ساتھ مذہبی اخوت تو ضرور فائم رہے گی، لیکن ”ولایت“ کا تعلق نہ ہو گا، اور اسی طرح ان مسلمانوں سے بھی یہ تعلق ولایت نہ رہے گا جو ہجرت کر کے نہ آئیں بلکہ دارالکفر کی رعایا ہونے کی حیثیت سے دارالاسلام میں آئیں۔ ”ولایت“ کا لفظ عربی زبان میں حمایت، نصرت، مددگاری، پشتیبانی، دوستی قرابت، سرپرستی اور اس سے ملتے جلتے مفہومات کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اس آیت کے سیاق و سبق میں صریح طور پر اس سے مراد وہ رشتہ ہے جو ایک ریاست کا اپنے شہریوں سے، اور شہریوں کا اپنی ریاست سے، اور خود شہریوں کا آپس میں ہوتا ہے۔ پس یہ آیت ”دستوری و سیاسی ولایت“ کو اسلامی ریاست کے ارضی حدود تک محدود کر دیتی ہے، اور ان حدود سے باہر کے مسلمانوں کو اس مخصوص رشتہ سے خارج قرار دیتی ہے۔ اس عدم ولایت کے قانونی نتائج بہت وسیع ہیں جن کی تفضیلات بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ مثال کے طور پر صرف اتنا اشارہ کافی ہو گا کہ اسی عدم ولایت کی بنا پر دارالکفر اور دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے قانونی ولی (Guardian) نہیں بن سکتے، باہم شادی بیاہ نہیں کر سکتے، اور اسلامی حکومت کسی ایسے مسلمان کو اپنے ہاں ذمہ داری کا منصب نہیں دے سکتی جس نے دارالکفر سے شہریت کا تعلق نہ توڑا ہو۔ علاوہ بریں یہ آیت اسلامی حکومت کی خارجی سیاست پر بھی اثر ڈالتی ہے۔ س کی رو سے دولت اسلامیہ کی ذمہ داری اُن مسلمانوں تک محدود ہے جو اس کی حدود کے اندر رہتے ہیں۔ باہر کے مسلمانوں کے لیے کسی ذمہ داری کا بار اس کے سر نہیں ہے۔ یہی وہ بات ہے جو نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمائی ہے کہ انابرئ من کل مسلم بین ظهراں المشہ کین۔ ”میں کسی ایسے مسلمان کی حمایت و حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو۔“ اس طرح اسلامی قانون نے اس جھگڑے کی جڑکات دی ہے جو بالعموم بین الاقوامی پیچیدگیوں کا سبب بتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی حکومت اپنے حدود سے باہر رہنے والی بعض اقلیتوں کا ذمہ اپنے سر لے لیتی ہے تو اس کی وجہ سے ایسی الجھنیں پڑ جاتی ہیں جن کو بار بار کی لڑائیاں بھی نہیں سلب جھا سکتیں۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 51 ▲

اوپر کی آیت میں دارالاسلام سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو ”سیاسی ولایت“ کے رشتہ سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ اب یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ اس رشتہ سے خارج ہونے کے باوجود وہ ”دینی اخوت“ کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔ اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بنا پر دارالاسلام کی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے ان مظلوم بھائیوں کی مدد کریں۔ لیکن اس کے بعد مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان دینی بھائیوں کی مدد کا فریضہ اندھا دُھندا نجام نہیں دیا جائے گا بلکہ بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے ہی انجام دیا جاسکے گا۔ اگر ظلم کرنے والی قوم سے دارالاسلام کے معاہدane تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہیں کی جاسکے گی جو ان تعلقات کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو۔

آیت میں معاہدہ کے لیے ”یثاق“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس کا مادہ ”وثوق“ ہے جو عربی زبان کی طرح اردو زبان میں بھی بھروسے اور اعتماد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یثاق ہر اس چیز کو کہیں گے جس کی بنا پر کوئی قوم بطریق معروف یہ اعتماد کرنے میں حق بجانب ہو کہ ہمارے اور اس کے درمیان جنگ نہیں ہے،

قطع نظر اس سے کہ ہمارا اس کے ساتھ صریح طور پر عدم محاربے کا عہد و پیمانہ ہوا ہو یانہ ہوا ہو۔

پھر آیت میں **بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيَثَاقٌ** کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں، یعنی ”تمہارے اور ان کے درمیان معاهدہ ہو۔“ اس سے یہ صاف مترشح ہوتا ہے کہ دارالاسلام کی حکومت نے جو معاهداتہ تعلقات کسی غیر مسلم حکومت سے قائم کیے ہوں وہ صرف دو حکومتوں کے تعلقات ہی نہیں ہیں بلکہ دو قوموں کے تعلقات بھی ہیں اور ان کی اخلاقی ذمہ داریوں میں مسلمان حکومت کے ساتھ مسلمان قوم اور اس کے افراد بھی شریک ہیں۔ اسلامی شریعت اس بات کو قطعاً جائز نہیں رکھتی کہ مسلم حکومت جو معاملات کسی ملک یا قوم سے طے کرے ان کی اخلاقی ذمہ داریوں سے مسلمان قوم یا اس کے افراد سبک دوش رہیں۔ البتہ حکومتِ دارالاسلام کے معاهدات کی پابندیاں صرف اُن مسلمانوں پر ہی عائد ہوں گی جو اس حکومت کے دائرہ عمل میں رہتے ہوں اس دائرے سے باہر دنیا کے باقی مسلمان کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں میں شریک نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیبیہ میں جو صلح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ سے کی تھی اس کی بناء پر کوئی پابندی حضرت ابو بصیر اور ابو جندل اور اُن دوسرے مسلمانوں پر عائد نہیں ہوئی جو دارالاسلام کی رعایانہ تھے۔

▲ 52: سورۃ الانفال حاشیہ نمبر:

اس فقرے کا تعلق اگر قریب ترین فقرے مانا جائے تو تو مطلب یہ ہو گا کہ جس طرح کفار ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر تم اہل ایمان اُسی طرح آپس میں ایک دوسرے کی حمایت نہ کرو تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم برپا ہو گا۔ اور اگر اس کا تعلق اُن تمام ہدایات سے مانا جائے جو آیت 72 سے یہاں تک دی گئی ہیں تو اس ارشاد کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر دارالاسلام کے مسلمان ایک دوسرے کے ولی نہ بنیں، اور اگر

ہجرت کر کے دارالاسلام میں نہ آنے والے اور دارالکفر میں مقیم رہنے والے مسلمانوں کو اہل دارالاسلام اپنی سیاسی ولایت سے خارج نہ سمجھیں، اور اگر باہر کے مظلوم مسلمانوں کے مدد مانگنے پر ان کی مدد نہ کی جائے، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ اس قاعدے کی پابندی بھی نہ کی جائے کہ جس قوم سے مسلمانوں کا معاهدہ ہو اس کے خلاف مدد مانگنے والے مسلمانوں کی مدد نہ کی جائے گی، اور اگر مسلمان کافروں سے موالات کا تعلق ختم نہ کریں، تو زمین میں فتنہ اور فساد عظیم برپا ہو گا۔

سورة الانفال حاشیہ نمبر: 53 ▲

مراد یہ ہے کہ اسلامی بھائی چارے کی بنا پر میراث قائم نہ ہو گی اور نہ وہ حقوق جو نسب اور مصاہرت کے تعلق کی بنا پر عائد ہوتے ہیں، دینی بھائیوں کو ایک دوسرے کے معاملے میں حاصل ہوں گے۔ ان امور میں اسلامی تعلق کے بجائے رشتہ داری کا تعلق ہی قانونی حقوق کی بنیاد رہے گا۔ یہ ارشاد اس بنا پر فرمایا گیا ہے کہ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو موافقة کرائی تھی اس کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ دینی بھائی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔